نصرۃ میگزین

شعبان-رمضان 1444ھ مارچ—اپریل 2023ء

شمارہ-71

جو بائیڈن کے حالیہ سٹیٹ آف یونین خطاب میں مسلم دنیا کے اہلِ قوت کے لیے تین سبق

خلافت کا انہدام ہمیں یہ یاد دہانی کراتا ہے کہ خلافت کو دوبارہ قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے!

اے پاکستانی فوج! موجودہ بین الاقوامی منظر نامہ ایک سنہری موقع ہے، جو صرف ایک بار آتا ہے

خلافت کے خاتمے کے 102 سال گزر جانے پر حزب التحریر کے امیر، ممتاز عالم، عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ کا خطاب

فہرست

اداریہ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(238-239) 6

ماہِ رمضان میں نصرۃ کا حصول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلم افواج خلافت کے قیام کے لیے نصرۃ فراہم کریں 17

اے پاکستانی فوج! ہمارے مسلم علاقے تجربہ گاہیں نہیں ہیں۔ موجودہ بین الاقوامی منظر نامہ ایک سنہری موقع ہے، جو صرف ایک بار آتا ہے 24

اے مسلمانو! ہماری ڈھال یعنی خلافت کا انہدام، ہمیں یہ یاددہانی کراتا ہے کہ خلافت کو دوبارہ قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے! 30

ہمیں کیسے فوجی کمانڈر کی ضرورت ہے؟ 40

(Postmodernism) مابعد جدیدیت 44

امریکی صدر جو بائیڈن کے حالیہ 2023 کے سٹیٹ آف یونین خطاب میں مسلم دنیا کے اہلِ قوت کے لیے تین سبق 69

خلافت کے خاتمے کے 102 سال گزر جانے پر حزب التحریر کے امیر، ممتاز عالم، عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ کا خطاب 74

کیا پاکستان میں خلافت کا قیام ایک اور عالمی جنگ کو جنم دے سکتا ہے؟ 84

سوال کا جواب: درایۃ کی بنیاد پر کسی حدیث کو مسترد کیے جانے سے کیا اس کا حدیث کی روایت پر بھی کوئی اثر پڑتا ہے؟ 89

سوال کا جواب: ڈیورنڈ لائن کے دونوں اطراف افغان اور پاکستانی سیکورٹی فورسز کے درمیان جھڑپیں 93

سوال وجواب: جاپان کی نئی دفاعی حکمت عملی 103

حزب التحریر کی جانب سے ترکی اور بلادِ شام میں زلزلے میں شہید ہو جانے والوں پر اظہارِ تعزیت 112

اداریہ

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں ایک بار پھر رمضان کریم کی برکتوں اور رحمتوں سے مستفید ہونے کے اعزاز سے مرحمت فرمارہے ہیں۔ رمضان کا یہ مبارک مہینہ ہمارے لیے اس یاددہانی کا باعث ہے کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآنِ فرقان کا نزول شروع ہوا تاکہ اس اُمت کو بہترین امت بنایا جاسکے، ایک مثالی امت جو تمام انسانیت پر گواہ بنے۔ اسی قرآن کے نزول سے ہی نبوت کے آخری دور کی شروعات ہوئی، وہ دور جس کے ذریعے اس امت کی حکمرانی کے پانچویں دور یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کی بشارت ملی۔ یہ وہی خلافتِ راشدہ ہوگی جس میں خلیفہ اموال کی تقسیم کرے گا اور اس کا حساب نہیں رکھے گا۔

اسلام کے احکامات اپنے اندر انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی نوعیت رکھتے ہیں۔ جیسے نماز ایک انفرادی نوعیت کا حکم ہے لیکن جماعت، امامت اور خطبہ وغیرہ کے احکامات اجتماعیت سے متعلق ہیں۔ اس میں حج میں خلیفہ کا حج کی قیادت کرنا، اپنی تمام تر عمل داری کی خبر لینا اور اپنے آپ کو اور اپنے والیوں کو محاسبے کے لیے پیش کرنا بھی شامل ہیں۔ نبوت کے نقشِ قدم کے یہی وہ اعمال ہیں جو آج مفقود ہو گئے ہیں۔ ماہ رمضان کا اجتماعی پہلو امت کی سطح پر رویت ہلال کے ذریعے رمضان کا استقبال کرنا ہے۔ پھر ایک امت کی طرح قرآن کے نزول اور رمضان کے اختتام پر عید سعید کا منانا ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ کی پوری امت، خلیفہ، اس کے معاونین اور والی بڑے بڑے اجتماعات میں عید گاہوں میں اللہ کی بارگاہ میں عید کی نماز تکبیرات اور سجود کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

آج اس مسلم امت کے ایک اللہ، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود، ان قومی ریاستی سرحدوں نے امت کو اس سے محروم کردیا ہے کہ وہ اس عید اور رمضان کو ایک سانجھی خوشی کے طور پر مناسکے۔ لہٰذا ایک خلافت کی عدم موجودگی میں، جو ہمیں ایک امت کے طور پر یکجا کر دیتی، ہم ان قومی سرحدوں میں تقسیم ہو

گئے۔ علاوہ ازیں، خلافت کا نقصان دراصل ہماری اس ڈھال کا نقصان تھا جو ہمیں کفار کی سازشوں اور حملوں سے محفوظ رکھتی تھی۔

آج امریکہ دنیا پر اپنے اثر ورسوخ کے تحفظ کے لیے چین کے اثر کو محدود کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے خصوصاً بھارت کو اس طرح سے سامنے لانا چاہتا ہے کہ بھارت ٹیکنالوجی اور طاقت کے لحاظ سے چین کے مقابل کے طور پر سامنے آسکے۔ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے بھارت کا اپنی مغربی سرحد سے بے غم ہونا ایک لازمی شرط ہے، جو پاکستان کی مشرقی سرحد ہے۔ اس کے لیے نہ صرف پاک فوج کو اپنی مغربی سرحد پر الجھایا جا رہا ہے، جو بھارت کو کشمیر کے قبضے کیلئے استحکام میسر کرتا ہے، بلکہ ساتھ ہی آئی ایم ایف کے ذریعے اقتصادی کمزوری پیدا کی جا رہی ہے۔

وقت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان علاقوں کی مکمل صلاحیت سے مستفید ہونے کیلئے انھیں یکجا کر دیا جائے۔ وسطی ایشیا کی توانائی کے وسائل، افغانستان کے کثیر معدنیات، جنوبی ایشیا کے زرخیز دریائی میدان، غیور افغان قبائل اور زبردست طاقت کی حامل پاک فوج انہی کثیر وسائل میں شامل ہیں جن کو ایک خلافت تلے متحد کر کے اس خطے سے امریکہ، چین اور روس وغیرہ جیسی استعماری طاقتوں کو بے دخل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہماری مقتدر اشرافیہ محض عہدوں، مراعات، ایکسٹینشن اور ذاتی مفاد کی سیاست کر رہی ہیں۔

ہمیں انا اور ذاتی مفاد کی اس سیاست کو دفن کرنا ہوگا۔ مغرب کی فکری زنجیروں کے اندر رہ کر حل تلاش کرنے کی رَوِش ترک کرنی ہوگی۔ یہ رمضان، اپنے تمام تر اجر و ثواب کے ساتھ تجدید کا موقع ہونا چاہیے۔ ہمیں واپس اپنی پہچان اور طاقت یعنی خلافت کے نظام کی طرف لوٹنا ہے جو خالصتاً صرف اور صرف اسلامی عقیدہ سے اخذ شدہ ہے۔ ہمیں اب ایک نئی سیاست اور نئی ریاست کی کوشش کرنی ہے جو دنیا کو ایک بار پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق انصاف اور انسانی شرف کی بحالی سے رُوشناس کرائے گی۔

جہاں تک اہلِ قوت کا تعلق ہے، تو یہ ان کیلئے ایک سنہرا موقع ہے۔امریکہ کیلئے چین اور روس، دونوں سے بیک وقت برسرِ پیکار ہونے نے ایک کو مصروف اور کمزور کر دیا ہے۔روس مشرقی ایشیاء پر توجہ کھو رہا ہے جبکہ یوکرین کا تنازعہ اسے کھاتا جا رہا ہے۔چین اپنے گرد امریکہ کی لگائی آگ میں گھر چکا ہے جس میں تائیوان، جنوبی کوریا اور جاپان امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں۔بھارت چین کے مقابلے میں زور آزمائی کرنے میں مصرف ہے۔مشرق وسطی کی زیادہ تر ناکام شدہ ریاستیں اپنے خاتمے کے قریب ہیں۔اس علاقے میں خلافت کا قیام اہلِ طاقت کو نہ صرف انصارؓ کے بیش بہا اجر و ثواب کا حامل بنا دے گا بلکہ وہ ایک ایسی ریاستِ خلافت کو قائم کر دیں گے جو نہایت تیزی سے دنیا کی عالمی طاقتوں کی فہرست میں داخل ہو جائے گی۔

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(239-238)

جلیل القدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابوالرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلاَةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (238)وَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (239) ﴾

"تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا، اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔ اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو) پھر جب تم امن کی حالت میں آجاؤ تو اللہ کا ذکر اس طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے جس سے پہلے تم ناواقف تھے"۔

یہ دونوں آیتیں نماز کے بارے میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شادی، قسم، نکاح، خلع، اولاد اور رضاعت کی آیات کے درمیان ان کو نازل فرمایا، ان احکامات کے بیان کے دوران اس کے نزول سے معلوم ہوتا ہے:

اول: انسان پر اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہوئے جو حالات اس کی زندگی میں آتے رہتے ہیں، ان کے دوران نماز کی خبر گیری اور خیال رکھنے سے غافل نہ ہو، اس کے مسائل اس کے دین کا ستون اسے بُھلا نہ دیں۔ نماز اللہ واحد آحد کے لیے ہے، یہ اسلام کا عظیم رکن ہے۔

دوم: نماز کا اہتمام اور اس کی طرف لپکنا اسلام میں ایک اہم معاملہ ہے، خاص کر جب مسائل اور مشکلات بڑھ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی کوئی امر پیش آتا، آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ مزید برآں نماز انسان کو اپنے رب کے قریب کر دیتی ہے اور اس کے اندر تقویٰ کے رجحان کو قوی بناتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی زوجہ اور اولاد کے ساتھ رہن سہن میں اپنے رب سے ڈرتا ہے، یوں وہ حق کا پاس رکھتے ہوئے معاملات نبھاتا ہے اور نکاح، طلاق، اور اولاد کے معاملے میں بھی حق پر کھڑا ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے دوسروں پر ظلم و ایذارسانی سے باز رہتا ہے۔

سوم: انسان کو ہمیشہ یاد رہنا چاہیے کہ یہ عظیم اسلام دین و سیاست کے درمیان علیٰحدگی نہیں کرتا، عبادات اور معاملات کو الگ نہیں کرتا۔ جسے ذاتی معاملات کہا جاتا ہے، اسے جہاد اور خلیفہ کی بیعت وغیرہ سے الگ نہیں کرتا۔ چنانچہ اسلام کے ایک حکم کا دوسرے حکم سے کوئی فرق نہیں، نہ ایک واجب کا دوسرے سے کوئی فرق ہے۔ تو جس ذاتِ اقدس نے شادی بیاہ اور طلاق و رضاعت کے احکامات بیان فرمائے ہیں، اسی نے نماز، جہاد اور زکوٰۃ کے احکامات بھی بیان فرمائے ہیں۔ یہ تمام احکامات اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں، یہ درست نہیں کہ بعض کو بعض سے جدا کیا جائے یا بعض کو چھوڑ کر بعض پر ایمان رکھا جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَفَتُؤۡمِنُونَ بِبَعۡضِ ٱلۡكِتَٰبِ وَتَكۡفُرُونَ بِبَعۡضٖۚ فَمَا جَزَآءُ مَن يَفۡعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمۡ إِلَّا خِزۡيٞ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَاۖ وَيَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰٓ أَشَدِّ ٱلۡعَذَابِۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُونَ ۔ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشۡتَرَوُاْ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا بِٱلۡأٓخِرَةِۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ ٱلۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنصَرُونَ﴾ **"کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں ذلیل ہو اور قیامت کے دن بھی سخت عذاب میں دھکیلے جائیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلہ خرید اسو ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی"**۔(البقرۃ:86-85)

اور ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مندرجہ ذیل باتیں بیان فرمائی ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ نمازوں کے قیام میں محتاط رہنے کا حکم دیتے ہیں اور ان میں سے درمیان والی نماز کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے، اور ہمیں یہ بھی حکم دیتے ہیں کہ ہم خشوع کے ساتھ نماز ادا کریں، نماز کے دوران وہ باتیں نہ کریں جو نماز میں سے نہیں۔

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ ﴾ **"تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو"** یعنی ان کو اپنے اوقات میں اور ارکان و احکامات کی رعایت کے ساتھ ادا کرو۔ بخاری و مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

((سالت رسول اللہ ﷺ ، فقلت ، یا رسول اللہ : ای العمل افضل؟ قال: الصلاۃ علیٰ میقاتھا، قلت: ثم ای؟ قال: بر الوالدین، قلتُ ثم ای؟ قال : الجھاد فی سبیل اللہ،فسکتُّ عن رسول اللہ ﷺ و لو استزدتُه لزادنی))"میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یارسولَ اللہ ﷺ! افضل ترین عمل کونسا ہے؟آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے وقت پر نماز پڑھنا، میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک، میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد، اس کے بعد میں نے خاموش ہو کر رسول اللہ ﷺ سے مزید نہیں پوچھا، اور اگر میں اور پوچھتا تو آپ ﷺ مزید بتاتے"۔

﴿وَالصَّلاَةِ الْوُسْطَى﴾"بیچ کی نماز" اس بارے میں کئی روایات ذکر کی گئی ہیں کہ درمیانی نماز کونسی ہے؟ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء وغیرہ سے متعلق روایات آئی ہیں، ان روایتوں میں بحث و تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس حوالے سے جتنی احادیث مروی ہیں وہ صرف نمازِ عصر اور نمازِ ظہر کے بارے میں ہیں۔ جہاں تک ان دونوں نمازوں کے علاوہ نمازیں ہیں تو ان سے متعلق تمام روایتیں موقوف ہیں، یعنی ان کی سند فقط صحابہ رضوان اللہ علیہم تک پہنچتی ہے، صحابی کا قول ان کی رائے ہے، شرعی دلیل نہیں، اس لیے ہم ان روایات پر یہاں بحث نہیں کرتے۔

اب ہم وہ شرعی دلائل سامنے رکھتے ہیں جو نمازِ عصر سے متعلق وارد ہوئے ہیں اور وہ بھی جو ظہر کی نماز سے متعلق ہیں، تاکہ صلاۃ وسطیٰ یا درمیانی نماز کے بارے میں واضح رائے معلوم کر سکیں۔

اول: مسلم نے حضرت علی کریم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا: ((شغلونا عن الصلاۃ الوسطیٰ صلاۃ العصر ملأ اللہ تعالیٰ بیوتھم النار)): "ان کافروں نے ہمیں صلاۃِ وسطیٰ نماز عصر نہیں پڑھنے دی، اللہ ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے"[1]۔

---

1 صحیح مسلم:627

اور ترمذی نے سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ :**((ان رسول الله ﷺ سئل عن الصلاة الوسطىٰ قال: هی العصر))** "رسول اللہ ﷺ سے درمیانی نماز سے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: وہ عصر کی نماز ہے"[2]۔

دوم: احمد اور ابوداؤد نے جید سند کے ساتھ زید ؓ بن ثابت سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:**((كان رسول الله ﷺ يصلی الظهر بالهاجرة و لم تكن صلاة اشد على الصحابة منها فنزلت﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾))**"رسول اللہ ﷺ ظہر گرمی میں پڑھا کرتے تھے، اور صحابہؓ کے لیے اس سے زیادہ کوئی نماز سخت نہیں تھی، تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی **﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾** "تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا"[3]۔

ان دلائل کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احادیث کا پہلا مجموعہ اس حوالے سے بالکل صریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے درمیانی نماز، نماز عصر کو کہا ہے، جبکہ احادیث کے دوسرے مجموعہ میں یہ ہے کہ صحابیؓ نے یہ ذکر کیا کہ اس آیت کے نزول کا سبب ظہر کی نماز تھا۔

پہلا مجموعہ موضوع پر دلالت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ اس بارے میں صریح نص ہے، اس لیے دوسرے مجموعہ پر اس کو ترجیح حاصل ہے۔

یہ بات درست ہے کہ آیت کا مطلب متعین کرنے میں سبب نزول کو زیادہ ترجیح ہوتی ہے، اگر پہلی احادیث صرف احتمال کی حد تک عصر کی نماز کی طرف اشارہ کرتیں، لیکن چونکہ وہ احادیث اس مسئلہ میں بالکل صریح نصوص

---

[2] جامع ترمذی: 1812 ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

[3] احمد: 183/5، ابوداؤد: 411

ہیں، اس بنا پر راجح یہ ہے کہ درمیانی نماز عصر کی ہے۔ اور اس میں کچھ اور احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جو اس کی افضیلت پر زور دیتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: **((من فاتته صلاة العصر فكانما وتر واهله و ماله)) ''جس کی عصر کی نماز چھوٹ گئی تو گویا اس کا اہل و عیال اور مال سب برباد ہو گیا''**[4]۔ اور فرمایا: **((بكروا بالصلاة فی یوم الغیم فانه من ترک صلاة العصر فقد حبط عمله)) ''بادل کے وقت نماز سویرے پڑھو، کیونکہ جس نے نماز عصر چھوڑ دی تو اس کا عمل برباد ہو گیا''**[5]۔

اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ آیتِ کریمہ **﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾ ''تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا''**، اس میں عام کے بعد خاص ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر نمازوں کی نگہداشت کا حکم دیا اور پھر اس کے بعد خاص طور پر درمیانی نماز کا ذکر کیا، اس میں اللہ کی اپنی حکمت ہے جسے وہ سبحانہٗ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ ''اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہُوا کرو'' یعنی خشوع اور عاجزی کے ساتھ، اس طرح کہ نماز کے علاوہ کوئی اور بات اس میں نہ ہو۔ بُخاری اور مسلمؒ نے زید بن ارقمؓ سے روایت کی ہے: ((كنا نتكلم على عهد رسول الله ﷺ حتى نزلت **(وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ)** فامرنا بالسكوت و نهينا عن الكلام)) ''ہم رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں (نماز میں) باتیں کرتے تھے،

[4] مسلم: 992، النسائی: 474، احمد: 145/2

[5] البخاری: 520، النسائی: 470، ابن ماجہ: 686

یہاں تک کہ یہ آیت، ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ "اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو"، نازل ہوئی، تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کیا گیا"[6]۔

اور ابنِ جریر نے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: **((اتیت النبی ﷺ و هو يصلى فسلمت عليه فلم يرد على، فلما قضى الصلاة قال: انه لم يمنعنى ان ارد عليك السلام الا انا امرنا ان نقوم لله قانتين لا نتكلم فى الصلٰوة))"میں نبی ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا، جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو فرمایا: آپ کو سلام کا جواب دینے سے مجھے کسی اور چیز نے نہیں روکا مگر یہ کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کے آگے نماز میں خاموشی سے کھڑے ہو جائیں، باتیں نہ کریں"[7]۔**

2۔ اور دوسری آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شدید خوف کی حالت میں نماز ادا کرنے کی کیفیت بیان فرمائی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تین حالات میں نماز کی ہیئت اور کیفیت بیان فرمائی ہے:

پہلی حالت: عام حالات میں، یعنی امن کی صورت میں روزانہ کی نماز کا بیان فرمایا ہے کہ اس نماز میں شرائط اور ارکان کے تمام احکامات کی ادائیگی واجب ہے، چنانچہ قیام، قرات، رکوع اور سجدہ مکمل کرے، اس کے علاوہ وہ تمام افعال بھی جو نماز سے متعلقہ شرعی احکامات کے مطابق واجب ہوتے ہیں۔

دوسری حالت: دشمن کا خوف ہو اور یہ ڈر ہو کہ وہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیں گے، اس حالت میں احتیاط واجب ہے تاکہ مسلمان بے خبری میں نقصان نہ اٹھائیں۔

---

[6] البخاری: 4170، مسلم: 838

[7] التفسیر الطبری: 570/2، الدر المنثور: 720/2، النسائی: 1220

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس حالت میں مخصوص طریقے کے ساتھ نمازادا کرنے کا حکم دیا ہے، یہ طریقہ سورۃ النساء کی یہ آیت بیان کرتی ہے ﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ "اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انہیں نماز پڑھاؤ تو (دُشمن سے مقابلے کے وقت اس کا طریقہ یہ ہے کہ) مسلمانوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لے۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو، آگے آجائے اور تمہارے ساتھ نماز پڑھے اور وہ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے" (النساء:102)۔ یہ آیت غزوۂ ذات الرقاع میں جمادی الاولیٰ 4ہجری میں نازل ہوئی تھی، یہ وضاحت ابن اسحاق نے بیان کی ہے، سیرت ابن ہشام میں بھی اسی کے مطابق ہے اور وہ ابنِ اسحاق سے روایت کرتے ہیں۔

ابنِ ماجہ کے علاوہ صحاحِ ستہ میں رسول اللہ ﷺ کی غزوہ ذات الرقاع میں جماعت سے پڑھی ہوئی نماز کی کیفیت روایت کی گئی ہے:((ان طائفة صفّت معه و طائفة وِجاء العدو، فصلیٰ بالتی معه رکعة ثم ثبت قائما فاتموا لانفسهم ثم انصرفوا وِجاءَ العدو، و جاءت الطائفة الاخریٰ فصلیٰ بهم الرکعة التی بقیت من صلاته فاتموا لانفسهم فسلم بهم))"
ایک جماعت آپ ﷺ کے ساتھ صف باندھ کر کھڑی ہو گئی اور ایک جماعت دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو گئی، پھر آپ ﷺ نے اپنے ساتھ کھڑی جماعت کو ایک رکعت پڑھائی، اس کے بعد آپ ﷺ اپنی جگہ کھڑے رہے، انہوں

نے باقی نماز اپنے طور پر مکمل کی، پھر وہ دشمن کی طرف ہو گئے اور وہ دوسری جماعت آئی پھر آپ ﷺ نے نماز کی باقی رکعت پڑھائی، پھر انہوں نے باقی نماز اپنے طور پر پوری کی اور آپ ﷺ نے سلام پھیر لیا"[8]۔

کچھ دیگر صحیح احادیث دوسری کیفیات روایت کرتی ہیں، اس بارے میں جتنی کیفیات روایت کی گئی ہیں، سب درست ہیں، بشرطیکہ جن احادیث میں یہ کیفیات آئی ہیں وہ احادیث صحیح ہوں، اور نماز اسی طریقے سے ادا کی جائے جو ان صحیح احادیث میں آیا ہے۔

تیسری حالت: دشمن کے ساتھ عین لڑائی کے دوران، اس کی دو حالتیں ہیں:

ا۔ اگر خوف بہت زیادہ ہو، یعنی دشمن مسلمانوں پر حملے کر رہے ہوں، ایک دوسرے کے بالمقابل گھات لگائے اور جنگی کشمکش برپا ہو، البتہ مسلمانوں کے لشکر کے لیے پیادہ ہو کر یا سوار ہو کر اشارے سے نماز پڑھنا ممکن ہو۔ اشارہ کے معنی ہیں: سجدے میں رکوع کی بہ نسبت سر کو زیادہ جھکائے۔ تو اگر اس طرح نماز پڑھنا ممکن ہو تو وہ نماز پڑھیں گے۔ اس نماز کا ذکر سورۃ البقرۃ کی اسی مذکورہ بالا آیت ﴿**وَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَانًا**﴾ **"اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو)"** میں آیا ہے۔

ابنِ ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ((ان النبی ﷺ وصف صلاة الخوف و قال: **فان کان الخوف اشد من ذلک فرجالا او رکبانا**)) "نبی ﷺ نے صلوٰۃ الخوف کے بارے میں بتایا اور فرمایا: **تو اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو پھر چلتے ہوئے یا سواری پر سوار ہو کر پڑھو"**[9]۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے سورۃ النساء میں صلوٰۃ الخوف کا بیان فرمایا، اس کے بعد اس پر یہ اضافہ کیا کہ اگر خوف بہت زیادہ ہو تو چلتے ہوئے پڑھو یا سوار ہو کر، اور یہ سورۃ البقرۃ کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

---

[8] البخاری:3817، مسلم:1385، ابوداؤد:1238، النسائی:1537

[9] ابن ماجہ:1248، الموطا:396

اور یہ حدیث بخاری میں سورۃ البقرۃ کی تفسیر میں ان الفاظ میں ہے کہ :**((فان کان الخوف اشد من ذلک فصلوا رجالاً قیاماً علیٰ اقدامهم او رکباناً مستقبلی القبلة و غیر مستقبلیها))**

"اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو، تو اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر چلتے ہوئے نماز پڑھو یا سوار ہو کر پڑھو، تمہارا منہ قبلے کی طرف ہو یا نہ ہو"[10]۔ آگے بخاری نے مزید کہا کہ مالک نے کہا کہ نافع نے کہا: (لَا أَرَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذَلِكَ إِلَّا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ)"میں نہیں سمجھتا کہ عبداللہ بن عمرؓ ایسا کہہ دیں، سوائے یہ کہ انھوں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو"۔

ب۔ اگر جنگ نہایت سخت ہو اور دشمن کی طرف سے جنگ اس حد تک شدید ہو گئی ہو کہ اگر مسلمانوں کا لشکر قتال چھوڑ کر نماز میں مشغول ہو جائے، خواہ اشارے سے ہی کیوں نہ ہو تو ہلاکتوں کا یقینی خدشہ ہو، تو اس حالت میں نماز میں تاخیر کرنا جائز ہوگا، یہاں تک کہ مذکورہ حالت چھٹ جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ احزاب میں پیش آیا تھا۔ امام شافعیؒ نے صحیح سند کے ساتھ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: **((حُبِسنا يوم الخندق حتى ذهب هوىّ الليل حتى كفينا القتال وذلك قوله تعالىٰ:﴿ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ﴾ فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بلالاً فأمر فأقام الظهر فصلاها كما كان يصلي ، ثم أقام العصر فصلاها كذلك ، ثم أقام المغرب فصلاها كذلك ، ثم أقام العشاء فصلاها كذلك ، وفي لفظ فصلى كل صلاة ما كان يصليها في وقتها))**[11] **"ہم خندق کے دن بند ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گزر چکا، پھر ہماری طرف سے لڑائی لڑی گئی اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے(وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ)"اور مومنوں کی طرف سے لڑائی کے لیے اللہ خود کافی ہو گیا"۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ کو بلایا اور ظہر کی نماز کے لیے اقامت کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھی جیسے آپ ﷺ پڑھا کرتے تھے، پھر عصر کی نماز کے لیے اقامت پڑھی اور اس کو بھی اسی طرح پڑھا، پھر مغرب کے لیے اقامت پڑھی اور اس کو بھی اسی طرح پڑھا، پھر عشاء کے لیے اقامت**

---

[10] بخاری:4260، الموطا:442

[11] الام:106/1، ابن خزیمۃ:88/2، الدارمی:430/1

پڑھی اور اس کو بھی اسی طرح پڑھا جیسے آپ ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہر نماز اسی طرح پڑھی جیسے آپ ﷺ اپنے وقت میں پڑھتے تھے"۔

یہ نہ کہا جائے کہ یہ بات صلوٰۃ الخوف کے بارے میں سورۃ النساء کی آیت نازل ہونے سے پہلے تھی، کیونکہ خندق ہجرت نبوی کے پانچویں سال لڑی گئی اور سورۃ النساء کی آیت غزوۂ ذات الرقاع میں 4 ہجری کو نازل ہوئی تھی، اس لیے ہر حالت کے لیے، جیسے کہ ہم نے بیان کیا، نماز کا ایک طریقہ ہے۔

اور جیسا کہ "تُستر" کے واقعے میں پیش آیا، بخاری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: **((حضرت مناهضة حصن تستر عند اضاءة الفجر و اشتد اشتعال القتال فلم يقدروا على الصلاة ، فلم نصل الا بعد ارتفاع النهار فصلينا ها و نحن مع ابى موسیٰ ففتح لنا، قال انس: و ما يسرني بتلك الصلاة الدنيا و ما فيها)) "میں صبح صادق کے وقت تستر کے قلعے والی جنگ میں تھا اور جنگ کے شعلے تیز ہوئے تو لشکر والے نماز نہ پڑھ سکے، پھر ہم نے تب ہی پڑھی جب سورج خوب چڑھ گیا تھا، ہم نے یہ نماز ابو موسیٰ کے ساتھ پڑھی اور پھر ہمیں فتح ملی، انسؓ کہتے ہیں: اس نماز کے بدلے اگر مجھے ساری کی ساری دنیا ملے تو میں پسند نہیں کروں گا"**[12]۔

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَانًا ﴾ "اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو)"، یعنی اگر تمہیں زمین پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں خوف محسوس ہو تو پھر چلتے ہوئے یا سوار ہو کر نماز پڑھو، یعنی جیسے تمہارے لیے ممکن ہو۔ یہاں قرآنی متن میں فعل کو حذف کیا گیا ہے، جیسے عرب کہتے ہیں (ان خيراً فخير و ان شراً فشر) "اگر یہ اچھا ہے تو اچھا ہے اور اگر یہ بُرا ہے تو بُرا ہے"، یعنی (ان تفعل خيراً و ان تفعل شراً) "اگر تم اچھا کرو اور اگر تم برا کرو"۔

---

[12] البخاری: 320/1، كتاب الجمعة، باب الصلاة عند مناهضة الحصون

(فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ)''پھر جب تم امن کی حالت میں آجاؤ تو اللہ کا ذکر اس طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے جس سے پہلے تم ناواقف تھے''،یعنی جب خوف دور ہو جائے تو معمول کے مطابق نماز پڑھو اور اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو اور اس پر کہ اس نے تمہارے لیے نماز میں آسانی فرمادی اور تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔

فہرست

ماہِ رمضان میں نصرۃ کا حصول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلم افواج خلافت کے قیام کے لیے نصرۃ فراہم کریں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی بابرکت کتاب قرآنِ مجید میں فرماتے ہیں، ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلاَّ مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ "ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے" (آل عمران: 126)۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلاَ غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِى يَنصُرُكُم مِّنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ **"اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمھیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے"** (آل عمران: 160)۔ یہ آیات اُن ایمان والوں کو، جن کی آنکھیں اللہ کی آیات پڑھتے ہوئے نم ہو جاتی ہیں، یہ یقین دہانی کراتی ہیں کہ اس امت کے پاس جو سب سے زبردست ہتھیار ہے وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد و نصرت کا وعدہ ہے۔ جی ہاں، یقیناً، مسلم افواج جو اپنے رب کے حکم کے مطابق اس قدر تیاری کرتی تھیں کہ دشمنوں کے دلوں میں ان کا رعب اور خوف قائم ہو جائے، چاہے اس کے لیے انھیں میزائل بنانے پڑیں یا طاقتور بحریہ یا فضائیہ تیار کرنی پڑے لیکن وہ کامیابی کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ہی دعا کے ذریعے انحصار کرتی تھیں۔ اگرچہ مسلم افواج کی قیادت اپنے دشمن پر قابو پانے کے لیے زبردست اور تفصیلی منصوبہ بندی کرتی تھی جس میں وہ آخری حد تک جاتے تھے لیکن وہ کامیابی کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتی تھیں کہ وہ ان کے منصوبوں کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ اور اگرچہ مسلم افسران کو ایک ریاست کی سرپرستی حاصل ہوتی تھی جو اللہ کے دین اسلام کو نافذ کر رہی تھی اور جس نے امت کو خلافت کے جھنڈے تلے یکجا کر رکھا تھا لیکن اس کے باوجود وہ کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے اللہ ہی پر بھروسہ کرتے تھے۔

لہذا مسلم افواج دن میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتی تھیں اور اللہ سے کامیابی کے حصول کے لیے راتوں کو قیام کرتی تھیں تاکہ وہ اللہ کا قرب حاصل کریں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایمان والوں کی آنکھیں، کان اور ہاتھ بن جائیں، جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ایمان کی یہ قوت زبردست فوجی صلاحیتوں کے ساتھ مل کر ایک ایسی قوت میں ڈھل جاتی تھی کہ جس کے نتیجے میں مسلم افواج ایسی ایسی کامیابیاں حاصل کرتی تھیں جن کے متعلق کفار سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہاں تک کہ دشمن کفار کی افواج یہ سمجھنے لگیں کہ یہ انسانوں کی نہیں بلکہ جنوں کی فوج ہے جن کا خون سرخ نہیں بلکہ نیلا ہے۔ اور کافر افواج کے جرنیل صدیوں تک مسلمانوں کی فوجی صلاحیتوں پر رشک کرتے تھے یہاں تک کہ جرمنی کی افواج کے جنرل رومیل نے کہا کہ میدانِ جنگ میں اس کی کامیابی کا راز خالد بن ولیدؓ کی فوجی منصوبہ بندیوں اور چالوں سے رہنمائی لینا ہے۔

تو آج ہماری افواج کو رمضان کے اس بارکت مہینے میں کس قسم کی کامیابی کی جستجو کرنی چاہیئے؟ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی رحمتوں کے خزانے کھول دیتا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، روزے رکھے جاتے ہیں، تراویح پڑھی جاتی ہے اور اُس رات میں عبادت نصیب ہوتی ہے جو ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے! یہ رمضان کا ہی مہینہ تھا جس کے دوران اس امت نے عظیم ترین کامیابیاں حاصل کیں۔ یہ رمضان ہی کا مہینہ ہے جس میں افواج کا سب سے طاقتور ہتھیار، یعنی اللہ پر ایمان، اپنی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے۔ اس رمضان میں اس مسئلے کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے جسے امت کے گزرے ہوئے تمام ادوار میں بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ آج امت کی افواج کی تعداد 60 لاکھ سے بھی زائد ہے یہاں تک کہ اپنے بدترین دشمنوں کی افواج سے بھی کئی گنا زیادہ!۔ جہاں تک ہتھیاروں کا تعلق ہے تو ہماری افواج کے پاس ٹینک، جنگی ہوائی جہاز، جنگی بحری جہاز یہاں تک کے ایٹمی صلاحیت بھی موجود ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود امت دشمنوں میں گھری ہوئی ہے چاہے وہ فلسطین میں ہو یا شام میں، افغانستان میں ہو یا کشمیر میں۔ یہ دشمن نہ تو بوڑھوں کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عورتوں، بچوں کا، یہاں تک کے جانوروں اور درختوں

تک کو تباہ و برباد کردیتے ہیں۔ یہی وقت ہے کہ امت کے بیٹے، چاہے ان کا تعلق افواج سے ہو یا وہ عام شہری ہوں، لازماً رمضان کو ایک بار پھر مسلمانوں کے لیے کامیابی کا مہینہ بنانے کے لیے سوچیں اور کام کریں۔

ہمیں 17 رمضان 2 ہجری غزوہ بدر کو کسی نظر سے دیکھنا چاہیے؟ مسلم افواج کے پہلے اور سب سے بہترین کمانڈر، تمام انبیاء کے سردار محمد ﷺ کے متعلق سوچیں جن کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو عربوں کے سب سے طاقتور قبیلے قریش کے خلاف بدر کے مقام پر زبردست کامیابی دلائی۔ یاد کریں اپنے بہادر آباؤاجداد کے متعلق کہ میدان جنگ میں ان کی کتنی تعداد تھی، اپنے دشمن کے مقابلے میں کس قدر اسلحہ کی قلت تھی کہ وہ باری باری ڈھال کو استعمال کرتے تھے۔ ان کا دشمن تعداد میں ان سے تین گنا زیادہ تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ اپنے دشمن کے سامنے، جس کے پاس جنگیں لڑنے کا نسلوں کا تجربہ تھا، ایک مضبوط و متحد فوج کی طرح لڑے۔ اس وقت کو یاد کریں جب رحمت اللعالمین، رسول اللہ ﷺ نے معمولی سے معمولی جزیات کو سامنے رکھتے ہوئے میدان جنگ میں افواج کی صف بندی کی اور پھر اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا مانگی جیسے آپ ﷺ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے اور اللہ سے کامیابی کی التجا کی۔ تو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کیا مثال ہو سکتی ہے کہ جنہوں نے دکھایا کہ صرف اللہ ہی ہے جس کے اختیار میں کامیابی ہے جیسا کہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اعلان کیا کہ، ﴿**وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ**﴾ **"جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمھاری مدد فرمائی تھی جبکہ تم نہایت پتلی حالت میں تھے، اس لیے اللہ ہی سے ڈرو! تاکہ تمھیں شکر گزاری کی توفیق ہو"** (آل عمران: 123)۔

یہ رمضان کی 20 تاریخ تھی جب 8 ہجری میں مکہ فتح ہوا۔ ایک ایسے وقت میں جب رسول اللہ ﷺ اسلام کی دعوت کو جزیرۃ العرب سے باہر پھیلانے کے لیے عملی اقدامات اٹھا رہے تھے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو جزیرۃ العرب میں اپنے سب سے بڑے دشمن قریش مکہ پر مکمل فتح نصیب فرمادی۔ فتح مکہ نے جزیرۃ العرب میں بسنے والے دیگر عرب قبائل پر ان کے اثر ورسوخ کا خاتمہ کردیا جس کے نتیجے میں پورے جزیرۃ العرب میں اسلام کی دعوت

میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں اور اسلامی ریاست بہت تیزی سے پھیلنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں دس ہزار مسلمانوں نے روزے کی حالت میں مکہ کی جانب سفر شروع کیا یہاں تک کہ وہ القدید پہنچ گئے۔ مکہ کے سردار ابو سفیان کو اس بات کا موقع فراہم کیا گیا کہ وہ مختلف قبائل کا مشاہدہ کر لے جو اب اسلامی ریاست کے جھنڈے تلے متحد ہو کر ایک سخت جان اور عسکری قوت میں تبدیل ہو چکے تھے۔ اس نظارے کو دیکھ کر ابو سفیان اتنا مایوس ہوا کہ اسے شکست کا یقین ہو گیا۔ اور پھر کس طرح مسلمانوں نے ایک منظم منصوبے کے تحت، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد کے ساتھ اپنے دشمن کو ایک ہی دن میں بغیر کسی لڑائی کے شکست سے دوچار کر دیا۔ توحید کی شمع کو مسلمانوں کے دلوں میں روشن اور مستحکم کرنے کے بعد فتح مکہ ایک اہم ترین کامیابی تھی جس کے بعد جزیرۃ العرب سے باہر کے علاقے بھی اب اسلامی ریاست کے زیر سایہ آنے کے لیے تیار تھے۔ فتح مکہ کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ، ﴿**إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ - وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا**﴾ **"جب اللہ کی مدد اور فتح آگئی اور لوگ جوق در جوق اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں داخل ہونے لگے"** (النصر: 2-1)

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی امت نے اپنی افواج کو اسلام کی روشنی سے منور کیے رکھا۔ وہ رسالت کے حوالے سے اپنی ذمہ داری سے اچھی طرح واقف تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ صرف کسی ایک مخصوص زمانے یا کسی ایک مخصوص قوم کے رسول نہ تھے بلکہ وہ تمام انسانیت کے لیے اور رہتی دنیا تک کے رسول تھے۔ لہذا مسلمانوں نے رمضان کی برکت سے فائدہ اٹھایا اور آنے والی کئی صدیوں تک اپنے دشمنوں پر کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد بلکہ صحابہ اور تابعین کے زمانے کے بعد بھی کئی صدیوں تک مسلمان اس مبارک مہینے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے فتح و کامیابی مانگتے رہے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کامیابیاں عطا کرتا رہا۔

اندلس کی سرزمین 28 رمضان 92 ہجری میں اسلامی سلطنت کا حصہ بنی۔ خلیفہ الولید کی ہدایت پر موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو اسپین کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ طارق بن زیاد کی قیادت میں سات ہزار کی فوج نے شمالی افریقہ سے سمندر کو پار کیا اور پہاڑی پر واقع قلعہ کو فتح کیا۔ یہ پہاڑی بعد میں "جبل الطارق" یا جبرالٹر کے نام سے مشہور

ہوئی۔ پھر اس نے جنوبی اسپین میں پیش قدمی کی۔ اس کے بعد موسیٰ بن نصیر بھی اس مہم میں شامل ہو گئے اور ایک بڑی فوج کے ساتھ طریفہ پر اترے اور سویلی اور کارمونہ کو فتح کیا۔

صلیبی جنگوں کے دوران جنگ حطین بھی ماہ رمضان کے دوران 584 ہجری (1187 عیسوی) میں پیش آئی۔ کرک کے عیسائی بادشاہ نے 1187 عیسوی میں، جس کو ارناط کہا جاتا تھا، مسلمانوں کے ایک قافلے پر حملہ کیا جو حج کے لیے جا رہا تھا۔ اس نے بے رحمی کا مظاہرہ کیا اور مردوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور عورتوں کی بے حرمتی کی۔ حاجیوں کو قتل کرتے ہوئے ارناط نے کہا کہ "جاؤ محمد سے مدد مانگو اگر وہ تمھاری مدد کر سکتا ہے"۔ جب اس واقع کی خبر صلاح الدین ایوبی کو پہنچی تو غصہ کے باوجود اس نے بادشاہ ارناط کے نام ایک نرم پیغام بھیجا۔ خط میں صلاح الدین نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ معاہدہ امن کی پاسداری کرے، تمام قیدیوں کو رہا کر دے اور جو کچھ لوٹا ہے اسے واپس کر دے۔ لیکن بادشاہ ارناط نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ عیسائیوں نے حطین کے مقام پر 50 ہزار کی فوج جمع کی۔ عیسائیوں کی قیادت یروشلم، کرک اور ترپیولی کے بادشاہوں نے کی لیکن انھیں عبرت ناک شکست ہوئی۔ عیسائیوں کے کئی شہزادوں اور فوجی افسروں کو قیدی بنا لیا گیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ تھا کہ صلاح الدین بادشاہ ارناط سے ٹکرائے جس نے حاجیوں کا قتل عام کیا تھا۔ بادشاہ ارناط کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے سے قبل صلاح الدین نے اس سے کہا کہ وہ اسے اس لیے قتل کر رہا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی اور معصوم مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔

رمضان 658 ہجری (1260 عیسوی) میں تاتاریوں کی یلغار کے خلاف عین جالوت کا معرکہ بھی مسلمانوں کے لیے ایک انتہائی زبردست کامیابی پر ختم ہوا۔ 656 ہجری کے اواخر میں تاتاریوں نے اسلامی خلافت کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کی، جس کے نتیجے میں دار الخلافہ بغداد پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا، خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر دیا گیا اور اسلامی ریاست کے دو تہائی حصے پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا۔ مسلمانوں کے آخری مضبوط علاقوں، مصر اور مراکش کی جانب بڑھتے ہوئے تاتاریوں نے مصر کے امیر، محمود سیف الدین قطز کے نام ایک دھمکی آمیز خط بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ "ہم نے تمھاری زمینوں کو تباہ، بچوں کو یتیم، لوگوں کو قتل، عورتوں کی عزتوں کو تار تار، شرفاء کو ذلیل

اور ان کے سرداروں کو قید کرلیا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہم سے بچ سکو گے؟ کچھ ہی عرصے میں تم جان جاؤ گے کہ تمھاری جانب کیا آرہا ہے۔۔۔"۔ سیف الدین قطز نے ایک سخت جواب دیا۔ اس نے تاتاری وفد کو قتل کر دیا اور ان کی لاشوں کو شہر میں لٹکا دیا جس کے نتیجے میں جہاں ایک طرف اس کی فوج اور رعایا کی ہمت میں اضافہ ہوا تو دوسری جانب دشمن، ان کے جاسوس اور ان کے ہمدرد خوفزدہ ہو گئے۔ اس عمل نے جہاں مسلمانوں میں جوش و خروش پیدا کر دیا وہیں تاتاریوں کو یہ احساس بھی ہوا کہ وہ ایک ایسے سربراہ کا سامنا کرنے جا رہے ہیں جس کا تجربہ انھیں اس سے قبل کبھی نہیں ہوا ہے۔ قطز نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ اس کی قیادت میں مسلمانوں نے ایمان، اتحاد اور ضروری ساز و سامان کے ساتھ دشمن کا سامنا کرنے کی تیاری کی۔ قطز نے علماٗ اور سرداروں کی مدد طلب کی کہ وہ اسلام کے دفاع اور اسلامی سرزمینوں کی آزادی کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ پھر جمعہ 25 رمضان 658 ہجری کو مسلمانوں نے عین جالوت کے مقام پر اپنے دشمن کا سامنا کیا۔ قطز نے میدان جنگ میں مسلمانوں کی قیادت کی۔ جنگ کی ابتدأ میں تاتاریوں کو برتری حاصل ہو گئی۔ اس صورتحال کو دیکھ کر قطز ایک پہاڑی پر چڑھ گئے، سر سے اپنا لوہے کا خَود اتار پھینکا اور چلائے "وااسلامہ، وااسلامہ"، افواج کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمنوں کے سامنے ڈٹے رہنے اور ان سے جنگ کرتے رہنے کی ترغیب دی۔ قطز کے سرخ چہرے، اس کی تلوار کی پھرتیوں اور دشمنوں سے بِھڑتا دیکھ کر مسلمانوں میں ہمت پیدا ہوئی اور مسلم افواج نے جنگ کا پانسہ اپنے حق میں پلٹ دیا اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک تاتاری فوج تتر بتر ہو کر میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نہیں گئی۔ اسلام اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ تاتاریوں نے جب دیکھا کہ مشرق میں ان کی طاقت کمزور پڑ رہی ہے اور مسلمان دوبارہ طاقت پکڑ رہے ہیں تو وہ اپنے آبائی علاقوں کی جانب بھاگ گئے جس کے نتیجے میں قطز کے لیے شام (موجودہ شام، فلسطین، لبنان وغیرہ) کو آزاد کروانا آسان ہو گیا اور چند ہفتوں ہی میں اس مقصد کو حاصل کر لیا گیا۔

آج اصل اور بنیادی سوال یہ ہے کہ کس طرح رمضان کے مہینے کو ایک بار پھر اس کا اصل مقام واپس دلوایا جائے یعنی کہ اس کو ایک بار پھر وہ مہینہ بنایا جائے جب مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے خلاف

فتوحات نصیب ہوتی تھیں۔ آج آخر وہ کیا چیز ہے جو مسلم افواج کو زخمی مردوں، بے عزت کی گئی عورتوں اور یتیم بچوں کی چیخ وپکار بھی حرکت میں آنے پر مجبور نہیں کرتی؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کی جائے اور اس کا منہ توڑ جواب نہ دیا جائے اور اس کے نتیجے میں کفار بار بار یہ شیطانی کام کرنے کی جسارت کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں پر اسلام سے حکمرانی نہیں کی جارہی اور ان کے حکمران خوفِ خدا رکھنے والے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے والے نہیں ہیں۔ آج مسلمانوں پر غدار حکمران مسلط ہیں جو مسلمانوں کے دشمنوں کی خدمت کرتے ہیں اور اسلام کی بنیاد پر حکمرانی نہیں کرتے۔ آج یہ غدار دشمنوں کے نمائندوں کو خوش آمدید کہتے ہیں اور ان سے احکامات وصول کرتے ہیں جبکہ انھیں اس قدر مضبوطی سے انکار کرنا چاہیے کہ دشمنوں کے تخت ہل جائیں۔ ان غداروں کا شام، فلسطین، عراق، کشمیر اور افغانستان سے مسلمانوں کی آتی چیخ پکار پر ردعمل یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنی افواج کو بیرکوں میں بند کردیتے ہیں اور اپنے کافر آقاؤں کے احکامات کا انتظار کرتے ہیں تاکہ ان مسلم افواج کو کفار اور ان کے لوگوں کے مفادات کی تکمیل میں مدد کے لیے دنیا میں کسی بھی جگہ پر بھیجا جاسکے!۔ افواج میں موجود مخلص افسران پر فرض ہے کہ وہ خلافت کے فوری قیام کے لیے نُصرۃ فراہم کریں۔ صرف خلافت کے قیام کی صورت میں ہی مسلم افواج اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچانے کے شاندار ماضی کو واپس لاسکیں گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿**إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ**﴾ **"یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے"** (غافر: 51)۔

فہرست

اے پاکستانی فوج! ہمارے مسلم علاقے تجربہ گاہیں نہیں ہیں۔ موجودہ بین الاقوامی منظر نامہ ایک سنہری موقع ہے، جو صرف ایک بار آتا ہے

بلال مہاجر، پاکستان

فوج میں قیادت کے لیے لڑنے والے دو عسکری دھڑوں، ایک طرف فیض حمید اور عمران خان اور دوسری طرف جنرل باجوہ، کے درمیان معاہدے کے بعد، پاکستانی عسکری قیادت نے جنرل باجوہ کی مدت ملازمت میں توسیع کا معاملہ طے کر لیا۔ فوجی قیادت نے جنرل باجوہ کو فوج کی کمان سے سبکدوش کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ پاک فوج کی قیادت جنرل باجوہ کے دست راست، جنرل عاصم منیر کو سونپ دی جائے۔

اس کے بعد، ہر طرف سے، ایک دم یہ آوازیں سنائی دینے لگیں کہ جنرل منیر کو پاکستان کی جوہری صلاحیت رکھنے والی فوج کی قیادت میں اپنی اہلیت ثابت کرنے کے لیے وقت دیا جائے۔ تاہم، جنرل منیر نے کبھی بھی کسی حقیقی جنگی معرکے میں فوج کی قیادت نہیں کی، جبکہ حالیہ برسوں میں جب سے وہ فوجی قیادت کی صفوں میں آئے ہیں، وہ جنرل باجوہ کے دست راست تھے! کیا لوگ یہ نہیں جانتے کہ فوجی قیادت میں موجود جنرلز کوئی زبردست ہیروز نہیں ہیں؟ بلکہ دولت اور اقتدار کے ٹائکون ہیں۔ انہوں نے ہی خطے میں امریکہ کو طاقتور بنایا، جب انہوں نے جنرل مشرف کی قیادت میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا۔ اس طرح انہوں نے افغانستان پر قبضے میں امریکہ کی مدد کی۔ یہ ابھی تک افغانستان میں امریکی اثر و نفوذ کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ان کی خیانت اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ انہوں نے ازلی دشمن، پاکستان کے متبادل امریکی ایجنٹ اور اتحادی ہندو ریاست، کے قدم افغانستان میں جمانے کی راہ ہموار کی تاکہ ہندو ریاست امریکہ کی شراکت سے افغانستان میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرے!

جنرل عاصم منیر کو موقع دینے کے لیے اٹھنے والی آوازیں یا تو پاکستانی فوجی قیادت کی حقیقت کے حوالے سے لاعلم ہیں، وہ اس کلب کی حقیقت اور اس میں شامل ہونے کی شرائط سے واقف نہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ اس میں کس کی بات سنی جاتی ہے، اس کا رکن کیسے بنا جاتا ہے، اس میں ترقی اور ملازمت میں توسیع کیسے ملتی ہے، اور اگر وہ ان حقائق سے بے خبر نہیں ہیں تو پھر وہ رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے اس فیصلے کی حمایت کر رہے ہیں۔ جب یہ حقیقت بے نقاب ہو گی تب فیصلہ ساز پہلے سے بڑھ کر کوئی اور من گھڑت کہانی لے کر نمودار ہوں گے۔ پاکستان میں عسکری اور سیاسی صورت حال پر نظر رکھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ پاکستان میں فوج کی قیادت کس کے حوالے کی جائے، اس کا فیصلہ بلا شرکتِ غیرا کیلے امریکہ کرتا ہے۔ اس کی قوتِ فیصلہ اس حد تک ہے کہ پاک فوج میں اعلیٰ عہدوں کے لیے امیدواروں کے انٹرویوز اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کے سی آئی اے افسران اور ملازمین کے ذریعے کیے جاتے ہیں، اور اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ یہاں تک کہ راولپنڈی میں پاکستانی فوج کے ہیڈ کواٹر، جی ایچ کیو، میں امریکیوں نے اپنا آفس کھول لیا! یعنی معاملہ فوجی قیادت میں امریکہ کے وفادار جنرلوں کی تعیناتی تک محدود نہیں بلکہ ان کی نگرانی کی جاتی ہے اور ان کو احکامات دیئے جاتے ہیں کہ خطے میں امریکہ کی خدمت کیسے کرنی ہے۔

یہ کڑوا سچ کوئی وہم یا ڈبل گیم نہیں ہے، جیسا کہ کچھ لوگ اس کی ہولناکی سے انکار کرتے ہیں، بلکہ اس صورت حال سے ہر وہ شخص واقف ہے جو واقعات اور خبروں سے خود کو باخبر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل منیر کو موقع دینے کے لیے بلند ہونے والی آوازیں یا اس کے بعد آنے والے کو موقع دینے کے لیے اٹھنے والی آوازیں ایسی ہی ہیں جو جنرل باجوہ یا اس سے پہلے والوں کی تعیناتی کے لیے اٹھی تھیں۔ یہ آوازیں اس حقیقت کو جانتی ہیں، مگر یہ بھی پاکستان میں امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کا ایک اور کھیل ہے، جس کا مقصد ایجنٹ، سیکولر نظام کو سیاسی و فوجی مدد کے ذریعے کھڑا رکھنا ہے، تاکہ جب تک لوگوں کو حقیقت کا علم ہو تو متبادل تیار ہو چکا ہو۔ اِس کے بعد اِس کو پھر پرانے چہروں سے تبدیل کیا جائے، یوں اس ہیر پھیر کو جاری رکھا جائے۔۔۔

اگر موجودہ متبادل یعنی جنرل منیر اور اس کے کلب کے ممبران اپنے پیش روؤں سے مختلف ہوتے تو اس کے ثبوت ان کی تعیناتی کے پہلے ہی دن نظر آتے، بلکہ ان کی تعیناتی سے بھی پہلے ہی نظر آتے۔ ان کور کمانڈروں میں سے کوئی بھی ایک کور کمانڈر اگر چاہے اور اس کے پاس موجودہ قیادت کے نقطہ نظر سے مختلف نقطہ نظر ہو تو وہ پاکستان میں سیاسی اور عسکری صورتحال کو بدل کر رکھ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر جنرل عاصم منیر جب شمال میں گجرانوالہ کور کے کمانڈر تھے، تو وہ کشمیر کی طرف مارچ کر سکتے تھے جس کے بعد باقی کورز بھی کشمیر کی آزادی کے لیے مدد کرنے کے لیے متحرک ہونے پر مجبور ہو جاتیں۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کسی بھی کور کمانڈر کا ایسا ارادہ ہو اور وہ صرف اسلام کے عقیدے کا حامل اور اس پر کاربند ہو۔

دشمن ہندو ریاست کی جانب سے جنرل عاصم منیر کے حافظ قران ہونے کا چرچا کیا گیا اور ان کو "ملّا جنرل" کا نام دیا گیا۔ اگر یہ واقعی دیندار ہوتے تو یہ اپنا ہاتھ حزب التحریر کے ہاتھ میں دیتے اور خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نصرہ (مدد) دیتے۔ اس کی بجائے یہ حزب التحریر کے نوجوانوں اور بعض افسران کا پیچھا کرنے اور ان کو ظلم کا نشانہ بنانے میں شریک اور اس عمل سے متفق تھے، جن کے بارے میں میڈیا میں بتایا گیا کہ ان افسران کی جانب سے نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نصرہ دینے کی کوشش کی وجہ سے ان کو عقوبت خانوں میں ڈالا گیا۔

پاکستان کی عسکری اور سیاسی قیادت کے بارے میں افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام، مسلمانوں اور اہل پاکستان، جن کی تعداد دو سو ملین سے زیادہ ہے، کے ساتھ وفاداری کے لیے اٹھنے والی ہر آواز کو دباتی ہیں۔ پاکستان کے لوگوں کے ساتھ تجربہ گاہ کے چوہوں جیسا سلوک نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی پاکستان کو کوئی عسکری کیمپ سمجھنا چاہیے جسے تربیت اور مشقوں کے لیے استعمال کیا جائے۔ جنرلز نے اپنا اخلاص اور صلاحیتیں منوانے کے مواقع بری طرح سے ضائع کیے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ اسلام اور مسلمانانِ پاکستان کے شرعی مفادات کی حفاظت کرنے میں بھی ناکام ثابت ہوئے، جس میں سب سے پہلا شرعی فرض اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے حکمرانی

ہے۔اس لیےاِن قیادتوں کوموقع دینے کی بات کرنے والوں شرم آنی چاہیے۔ان کومزید وقت دینےاور مزید مواقع دینے کا مطلب اِن کواوراِن کے آقا امریکہ کو پاکستان کے ساتھ مزید کھلواڑ کرنےاور اہل پاکستان کومزید اذیت دینے کے مواقع فراہم کرنا ہے، جس کے نتیجے میں اہل پاکستان مزید بدحال اور کمزور ہوجائیں گے اور امریکی غلامی بڑھتی جائے گی۔

ان قیادتوں کی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عسکری ادارے کے مخلص لوگوں پر سب سے پہلے اور گزشتہ کسی بھی وقت سے زیادہ اب یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس جہادی ایٹمی اسلامی عسکری ادارے کواِن تمام گندگیوں سے پاک کریں اور نبوت کے نقش قدم پر دوسری خلافت راشدہ کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نصرہ دیں تاکہ خلیفہ اُن کی قیادت کرتے ہوئے زمین اور بندوں پر اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے ذریعے حکمرانی کرے،تاکہ اللہ ہم سے راضی ہو اور ہمارے دشمنوں (امریکہ، ہندو ریاست اور یہودی وجود۔۔۔) کے خلاف ہماری مدد کرے، ہم کشمیر اور باقی اسلامی برصغیر کو ہندوؤں سے آزاد کرائیں،اور مختلف اسلامی سرزمینوں کو خلافت کے سائے میں یکجا کرنے کے بعد مسجد اقصی کو یہود کی گندگی سے آزاد کرائیں،یوں اس ریاست کے طول وعرض میں خوشحالی اور امن وامان کا دور دورہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(يَكونُ في آخِرِ أُمَّتي خَلِيفَةٌ يَحْثِي المَالَ حَثْيًا، لا يَعُدُّهُ عَدَدًا) "میری امت کے آخری حصے میں ایک ایسا خلیفہ آئے گا جو (رعایا پر) مال نچھاور کرے گا، مال کو گنے گا نہیں۔" (مسلم)**

غیرت منداسلامی امت خود کواور اپنے وسائل کواستعمار کے پنجوں سے چھڑانے کے لیے تڑپ رہی ہے اور اس راہ میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔ جہاں تک بین الاقوامی صورتحال کا معاملہ ہے تو وہ اس وقت منقسم ہے،اور اثرورسوخ اور وسائل کے لیے بڑی طاقتوں کے درمیان رسہ کشی جاری ہے۔ یہ صورت حال خلافت کے قیام کے ذریعے امت کی آزادی اور خودمختاری کے اعلان کو آسان بنارہی ہے۔ آج امت کی صورتحال نبی ﷺ کی صورتحال کی طرح ہے جب آپ ﷺ نے روم اور فارس کے درمیان جنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ منورہ میں

پہلی اسلامی ریاست قائم کی تھی۔ پاکستانی فوج میں موجود مخلص لوگوں کو تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اور اُن کو یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہے۔ اُن کو حزب التحریر کو نصرہ دینا چاہیے جو اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے حکمرانی کی مکمل تیاری کر چکی ہے، اس کی سیاسی صلاحیتیں اور روشن طریقہ کار، اسے اس قابل بناتی ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد سے تمام علاقائی اور بین الاقوامی چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے۔ اُن کی جانب سے نصرہ دینا انہیں کسی نئے تجربے کا شکار نہیں کرے گا، کیونکہ اسلام تیرہ صدیوں تک نافذ رہا، اور اسی کے ذریعے مسلمانوں نے پوری دنیا پر حکمرانی کی۔ اس کے ساتھ اس اسلام کے ذریعے حکمرانی اللہ کی رضا کا باعث ہے، جو کہ علیم اور حکیم ہے۔ انسانوں کے لیے اللہ کے نظام سے بہتر کوئی نظام نہیں کیونکہ یہ انسان، حیات اور کائنات کے خالق، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے اتارا ہوا نظام ہے۔

اے پاکستانی افواج کے مخلص لوگو! اُن لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جن کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا * وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک سرکش کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس سے اعتقاد نہ رکھیں اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر رستے سے دور ڈال دے۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔" (النساء، 61-60)

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا * فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

"اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔"(النساء،65-64)

فہرست

اے مسلمانو! ہماری ڈھال یعنی خلافت کاانہدام، ہمیں یہ یاددہانی کراتا ہے کہ خلافت کو دوبارہ قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے!

رسول اللہ ﷺ نے روح الامین، جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ یہ وحی اپنی امت تک پہنچائی: «إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ» **"بے شک امام (خلیفہ) ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے سے لڑا جاتا ہے اور اس کے ذریعے تحفظ حاصل ہوتا ہے"۔** (مسلم)

اے مسلمانو! 28 رجب 1342 ہجری (بمطابق 3 مارچ 1924) وہ دن تھا جب ہم اپنی ڈھال، یعنی خلافت سے محروم ہوگئے۔

امت کی وحدت کو یقینی بنانے والی خلافت کی عدم موجودگی میں، مغربی استعمار نے اپنی صلیبی کاروائیوں میں مزید اضافہ کردیا، اور امت کے حصے بخیے کرکے اتنی نئی نئی ریاستیں بناڈالیں کہ 'تقسیم کرو اور حکمرانی کرو' کی پالیسی کا بھیانک چہرہ کھل کر ہمارے سامنے عیاں ہوگیا۔

مسلم امت کی خلافت تباہ ہونے کے بعد سے کمزوریاں، حملے اور استحصال بارش کی طرح ہم پر برسنے لگے۔ عرب اور ترک، قومیت کی بنیاد پر بغاوتیں کھڑی کرکے ریاست کو اندر سے اتنا کمزور کردیا گیا یہاں تک کہ وہ ریاست گرگئی، اس کے بعد برطانیہ نے خلافت کی لاش سے حاصل ہونے والے مسلمانوں کے علاقوں کو جنگ کا لوٹا ہوا مال سمجھ کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں کاٹ دیا۔ مسلمانوں کو وحدت بخشنے والی خلافت کی عدم موجودگی میں کفار ذرہ برابر بھی نہیں جھجکے اور ریاستوں کو کاٹ کر مزید ریاستیں بنائیں، یہاں تک مسلمان مغرب کی "تقسیم کرو اور حکمرانی کرو"(Divide and Conquer) کی پالیسی کی تکلیف کو شدت سے محسوس کرنے لگے۔ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود، اسلامی وحدت کے ذریعے ہمیں مضبوط کرنے والی اسلامی طرزِ زندگی کی عدم موجودگی میں تمام

اقوام ہم پر اس طرح پِل پڑیں، جیسا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا تھا: « **يُوشِكُ الأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُم كَمَا تَدَاعَى الأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا** » "اقوام تم پر ایسے ٹوٹ پڑیں گی جیسے لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں"۔ پوچھا گیا، "کیا ہم تعداد میں کم ہوں گے"؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: « **بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوكُمُ المَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُم الوَهْنَ** » "نہیں، تم تعداد میں زیادہ ہو گے لیکن تمہاری وقعت سمندر میں موجود جھاگ کی طرح ہو گی۔ اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں میں سے تمہارا ڈر نکال دیں گے اور تمہارے دلوں میں وہن داخل کر دیں گے"۔ پوچھا گیا، "یا رسول اللہ ﷺ! یہ وہن کیا ہے"؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: **حُبّ الدّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ المَوْتِ**، "دنیا کی محبت اور موت کا خوف"۔ (ابوداؤد)

ہماری ڈھال کی غیر موجودگی میں، امت کے پاس تیس لاکھ فوجی جوان ہونے کے باوجود، امت کی سرزمینوں پر کفار قابض ہیں اور امت کے افراد کو شہید کیا جا رہا ہے۔ ہماری ڈھال کی غیر موجودگی میں، دنیا کے بہترین وسائل ہمارے پیروں تلے موجود ہیں مگر امت فاقوں کا شکار ہے۔ ہماری ڈھال کی غیر موجودگی میں، ہم دینِ حق کو اپنے سینوں میں زندہ رکھے ہوئے ہیں مگر گمراہی ہماری اولادوں اور خاندانوں پر منڈلا رہی ہے۔

اے مسلمانو! اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافت کا انہدام ہونے پر ہمارے آباؤ اجداد کا سخت رد عمل سامنے آیا تھا!

جب بلقان ریاستوں نے خلافت پر حملہ کیا تو اکتوبر 1912 میں متعدد مظاہرے ہوئے۔ خلافت کے لیے فنڈ (مالی مدد) جمع کرنے کی خاطر نومبر 1912 میں لاہور کی بادشاہی مسجد میں مخلص شاعر، علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی نظم "جوابِ شکوہ" پڑھی۔ تحریکِ خلافت میں اترپردیش کے شوکت علی اور محمد علی جوہر نے خلافت کی مدد و حمایت کے لیے مسلمانوں کو متحرک کرنے کی کوششیں شروع کیں۔

جب مغربی استعمار نے خلافت پر اندر سے وار کرنے کیلئے عرب قومیت کے حربے کو استعمال کیا تو باشعور مسلمان حرکت میں آ گئے۔ جون 1916 میں عربوں کے قومی غدار، شریف حسین کی عثمانی خلافت سے جنگ کے بعد پورے برِ صغیر پاک و ہند میں اس کی غداری کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ 26 جون 1916 میں لکھنؤ میں شریف حسین کے اس "شرمناک طرزِ عمل" سے متعلق مذمتی قرارداد منظور کی گئی۔

فروری 1919 میں ایک فتویٰ جاری ہوا جس میں امام یا خلیفہ کے تقرر کو ایک فرض قرار دیا گیا۔ 21 ستمبر 1919 کو لکھنؤ میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں مسلمانوں نے یہ اعلان کیا کہ "ترکی کی ممکنہ تحلیل اور ترک سلطنت کے حصوں سے چھوٹی چھوٹی متعدد ریاستوں کا قیام جو غیر مسلم طاقتوں کے زیرِ اثر ہوں، خلافت میں ناقابلِ قبول دخل اندازی ہے جو مسلم دنیا میں مستقل عدم اطمینان کا باعث بنے گا"۔

جب برطانوی ایجنٹ اور ترک قوم پرست، مصطفیٰ کمال نے ایک مہلک ضرب لگائی اور 3 مارچ 1924 کو خلافت کا خاتمہ کر دیا تو برِ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ 9 مارچ 1924 کو مسلمانوں نے خلافت کے بچاؤ کے لیے تقریبات کا انعقاد کیا اور ایک تار (ٹیلیگرام) جاری کیا جس میں خبردار کیا گیا کہ خلافت کا خاتمہ "شیطانی عزائم کا دروازہ کھول دے گا"۔ ایک اعلامیہ (سرکلر) جاری کیا گیا جس میں ہر نمازِ جمعہ میں لازمی طور پر معزول خلیفہ، عبدالمجید کا نام لینے کو کہا گیا۔

یہ تھا ہمارے آباؤ اجداد کا ردِ عمل جب خلافت کا انہدام ہوا۔ پس اب جبکہ اس دردناک انہدام کو ایک صدی ہجری گزر چکی ہے، ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

اے مسلمانو! بے شک ہم تب تک گناہگار ہوں گے جب تک کہ ہم خلافت کے دوبارہ قیام کے لئے سرگرم عمل نہ ہوں۔

مسلمانوں کے لئے یہ ہر گز جائز نہیں کہ وہ ایک خلیفہ کے بغیر رہیں جو ان پر اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکمرانی کرتا ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ **"جو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق آپ ﷺ ان میں فیصلہ کریں"** (المائدہ: 5:49)۔

ہمیں خلافت سے محروم ہوئے ایک صدی ہجری گزر چکی ہے، جبکہ ایک خلیفہ کا تقرر اسی لمحے فرض ہو جاتا ہے کہ جب پچھلا خلیفہ وفات پا جائے یا اسے ہٹا دیا جائے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ »** **"بنی اسرائیل کی سیاست (امور کی دیکھ بھال) انبیاء کیا کرتے تھے، جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کی، آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم اس کی اطاعت کرو جسے سب سے پہلے بیعت دی جائے اور انہیں ان کا حق ادا کرو (یعنی ان کی اطاعت کرو)۔ اور اللہ ان سے ان کی رعیّت کے متعلق سوال کرے گا جو اس نے اُنہیں دی"** (بخاری، مسلم)۔ ہم اس تمام عرصے خلافت کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں ، جبکہ ہم پر فرض کیا گیا ہے کہ خلیفہ کی عدم موجودگی میں جلد سے جلد خلیفہ کی بیعت کے عمل کو شروع کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے پہلے ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ کے انتخاب کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات جو ہمیں اجماع صحابہ کے ذریعے معلوم ہوئیں، اے مسلمانو، ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ تین دن اور تین راتوں سے زیادہ خلیفہ کو بیعت دیئے بغیر ہم زندگی گزاریں۔ ہمیں خلافت سے محروم ہوئے ایک صدی ہجری گزر چکی ہے، جبکہ صحابہ کرامؓ نے اپنے دن اور رات ایک کر دیے تاکہ خلافت کے تقرر کے لیے تین دن اور تین راتوں کی حد کو پامال ہونے سے بچایا جائے۔ بخاری نے مسور بن مخرمہؓ سے روایت کیا، انہوں نے

فرمایا: « طَرَقَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بَعْدَ هَجْعٍ مِنْ اللَّيْلِ، فَضَرَبَ الْبَابَ حَتَّى اسْتَيْقَظْتُ، فَقَالَ أَرَاكَ نَائِمًا، فَوَاللَّهِ مَا اكْتَحَلْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ بِكَبِيرِ نَوْمٍ »"عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رات کا کچھ حصّہ گزرنے کے بعد میرے دروازے پر تب تک دستک دی جب تک کہ میں بیدار نہ ہو گیا، انہوں نے مجھ سے کہا، میں کیا دیکھتا ہوں اے مِسور، تم سو رہے ہو! واللہ میں پچھلی تین راتوں سے مقدور بھر سویا بھی نہیں"۔

ایک صدی ہجری سے زائد عرصہ گزر چکا اور خلافت کے قیام کا فرض پورا نہیں ہوا، کیا ہم خلافت کے دوبارہ قیام کے لئے پیچھے نہیں رہ گئے؟

اے مسلمانو! ہم پر لازم ہے کہ ہم نبوت کے نقش قدم پر خلافت دوبارہ قائم کریں تاکہ ہم پر حکمرانی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ کے ذریعے ہو۔

لٰہذا خلیفہ نہ تو آمر ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی جمہوری حکمران، وہ نہ تو اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر حکومت کرتا ہے اور نہ ہی کسی اسمبلی کے اتفاقِ رائے کی بنیاد پر، بلکہ وہ قرآن وسنت ہی کی بنیاد پر حکومت کرتا ہے اور اپنی حکومت میں کسی بھی تنازعے کی صورت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون کا ہی پابند ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ **"اور اگر تم کسی معاملے میں تنازعہ کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو"**(النساء: 4:59)۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے حکومت کرنے والے آپ ﷺ کے خلیفہ، ابو بکر صدیقؓ نے اعلان کیا: وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيّ عِنْدِي حَتّى أُرِيحَ عَلَيْهِ حَقّهُ إنْ شَاءَ اللّهُ, وَالْقَوِيّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ عِنْدِي حَتّى آخُذَ الحَقّ مِنْهُ إنْ شَاءَ اللّهُ، **"تم میں سے کمزور میرے نزدیک طاقتور ہے حتیٰ**

کہ میں اسے اس کا حق دلادوں، ان شاءاللہ، اور تم میں سے طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے حتیٰ کہ میں اس سے حق لے لوں، ان شاءاللہ"۔

اسلام کی بنیاد پر تنازعات کو حل کرنے والے خلیفہ کی حیثیت سے عمرؓ نے فوراً اپنی بات سے رجوع کیا اور اپنا فیصلہ واپس لے لیا، اور کہا: **إِنَّ امْرَأَةً خَاصَمَتْ عُمَرَ فَخَصَمَتْهُ،"بے شک ایک عورت نے عمر سے اعتراض کیا اور اس میں وہ حق پر ہے"۔**

ایک صدی ہجری سے زائد عرصہ گزر چکا اور امت پر حکمرانی اللہ کے نازل کردہ کے علاوہ جاری ہے۔ ہم کیسے اپنے دین پر ہونے والی اس غفلت پر خاموش بیٹھ سکتے ہیں؟

اے مسلمانو! خلافت تو غیر مسلموں کے لئے بھی ڈھال تھی!

اللہ کی تلوار (سیف اللہ)، خالد بن ولیدؓ نے جنوبی عراق میں الحرہ کو فتح کرنے کے فوراً بعد خلیفہ ابو بکرؓ کو ایک خط میں یہ بتایا کہ انھوں نے کیسے جزیہ نافذ کیا اور غیر مسلم جو غریب، بوڑھے اور اپاہج تھے، انھیں مستثنیٰ کر دیا۔ خط میں کہا، **طُرِحَتْ جزيتُه وعيلَ من بيت مال المسلمين وعياله:"جزیہ سے معافی اور مسلمانوں کے بیت المال سے اس کیلئے اور اس کے گھر والوں کیلئے (خرچہ دیا جائے گا)"۔**

جب خلافت غیر مسلموں کو رومی حملے سے تحفظ فراہم کرنے سے قاصر تھی، مسلمانوں کے خلیفہ حضرت عمر الفاروقؓ نے یہ اعلان کیا جزیہ ذمی شہریوں کو واپس کر دیا جائے۔ رومی عیسائیوں کی طرفداری کرنے کی بجائے الشام کے عیسائیوں نے یہ کہا: رَدَّكُمُ اللهُ إلينا، ولَعَنَ اللهُ الذين كانوا يملكوننا من الروم، ولكن والله لو كانوا هم علينا ما ردُّوا علينا، ولكن غصبونا، وأخذوا ما قدَرُوا عليه من أموالنا، لَوِلايتُكم وعدلُكم أحبُّ إلينا مما كنا فيه من الظلم والغُشْم،"اللہ تمہیں بحفاظت ہماری طرف واپس لوٹائے اور روم سے ہم پر قبضہ کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو، اللہ کی قسم اگر وہ ہم پر آجاتے تو واپس نہ آتے بلکہ

غصب کرتے اور ہمارے مال میں سے جو پاتے، لے لیتے۔ یقیناً، آپ کی سربراہی اور عدل ہمیں اس ظلم اور بد بختی سے زیادہ محبوب ہے جس میں ہم پہلے تھے"۔ پھر خلافت فتح یاب ہو کر لوٹی اور صدیوں تک الشام کے غیر مسلم اس کے سائے تلے محفوظ رہے۔

اسپین سے یہودیوں کی ظالمانہ ملک بدری کا سن کر سلطان بایزید ثانیؒ نے خلافت کی بحری فوج (Navy) بھیجی تاکہ یہودیوں کو بحفاظت ریاستِ خلافت کی سرزمین پر، تھیسالونیکی اور ازمیر کے شہروں میں لایا جاسکے۔ اس نے کہا: "تم فرڈینیڈ (Ferdinand) کو عقلمند کہتے ہو جبکہ اس نے اپنے ہی ملک کو غریب کر کے میرے ملک کو تقویت بخشی ہے!"۔

<u>**پس، خلافت کی تیرہ صدیوں پر مبنی طویل تاریخ میں، خلافت کی سنہری ڈھال سے نہ صرف مسلمان مستفید ہوئے بلکہ اس ڈھال تلے غیر مسلم بھی محفوظ رہے۔ آج جب اس ڈھال کو ٹوٹے ایک صدی ہجری سے زائد عرصہ گزر چکا ہے، امت بے یار و مددگار ہے۔ اے مسلمانو، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی ڈھال یعنی خلافت کو دوبارہ قائم کریں؟**</u>

اے مسلمانو، خلافت کے دوبارہ قیام کے لئے جستجو کرنا ہم پر فرض ہے جبکہ نصر صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے!

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ **"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ یقیناً انہیں زمین میں اپنا جانشین بنائے گا، جیسا اس نے ان سے پہلے والوں کو بنایا۔ اور یقیناً ان کے دین کو جسے اُس نے اِن کے لیے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت**

کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ فاسق ہیں "(النور 24:55)۔

اس آیت کے ضمن میں ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے، (هذا وعد من الله لرسوله صلى الله عليه وسلم۔ بأنه سيجعل أمته خلفاء الأرض، أي : أئمة الناس والولاة عليهم، وبهم تصلح البلاد ، وتخضع لهم العباد ، وليبدلن بعد خوفهم من الناس أمنا وحكما فيهم)، " یہ اللہ کا اپنے رسول ﷺ سے وعدہ ہے کہ وہ ان کی امت کو زمین پر جانشین بنائے گا، یعنی وہ انسانیت کے رہنما اور حکمران بنیں گے، جس کے ذریعہ وہ دنیا میں اصلاح کرے گا اور جن کی لوگ پیروی کریں گے، تاکہ وہ اپنے خوف کے بعد محفوظ سلامتی حاصل کر سکیں"۔ تو آیئے اے مسلمانو! ہم نیک اعمال کے لیے جدوجہد کریں، تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ امتِ محمدیہ کو انسانیت کے حکمران کے طور پر، اس کے صحیح مقام پر بحال کر دیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم سے اپنی نصر کا وعدہ فرمایا کہ وہ ہمیں بھی حکمرانی عطا کریں گے، اگر ہم اس کے دین کو مضبوطی سے تھامے رہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ہمیں کاٹ کھانے والے ظلم کے دور کے بعد خلافت کے دوبارہ قیام کی خوشخبری سنائی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظِ مبارک روایت کیے: « **ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ** »، " **اس کے بعد جابرانہ حکمرانی ہوگی، اور یہ باقی رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب اللہ چاہے اسے ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت قائم ہوگی۔ یہ بیان فرما کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے**"۔

<u>جب ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدے اور رسول اللہ ﷺ کی خوشخبری کی نوید مل گئی، کیا ان سے مایوسی کے بدل چھٹ نہیں جاتے تاکہ ہم جوش اور ولولے کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں؟</u>

اے مسلمانو! آئیں مل کر خلافت کے دوبارہ قیام کے لئے کام کریں، جب تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نازل کردہ کے ذریعے حکمرانی کو بحال نہ کردیں۔

جو کوئی رسول اللہ ﷺ کو اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ اس پختہ عزم کو یاد کرے جو رسول اللہ ﷺ کے اعمال میں جھلکتا تھا جو آپ ﷺ نے اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے کے لیے سرانجام دیے۔ جب آپ ﷺ کے چچا نے آپ ﷺ کو باز رہنے کا کہا تو آپؐ نے جواب دیا، «يَا عَمّ ، وَاَللّهِ لَوْ وَضَعُوا الشّمْسَ فِي يَمِينِي، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ حَتّى يُظْهِرَهُ اللّهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ »، " اے چچا! اللہ کی قسم اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں، تب بھی میں اس کام کو ترک نہیں کروں گا، یہاں تک کہ اللہ اس دین کو غالب کردے یا مجھے اس راہ میں فنا کردے"۔ پس، صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھا، ان کے ساتھ محنت کی اور قربانیاں دیں، حتیٰ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ نصرۃ سے اسلام مدینہ المنورہ میں قائم ہو گیا۔

پچھلے سو سالوں میں ہم خلافت کے دوبارہ قیام کے معاملے میں بے عملی کے بہت سے نتائج بھگت چکے ہیں۔ دنیاوی تکالیف اور ذلت و رسوائی اپنے عروج کو پہنچ چکی ہے۔ ایک تکلیف ختم نہیں ہوتی اور دوسری شروع ہو جاتی ہے، ایک رسوائی اپنے سے بڑی رسوائی کی جانب لے جاتی ہے۔ ہماری بے عملی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اگر ہم اپنے دنیاوی معاملات میں مصروف رہے اور اسلام کی حکمرانی کو نظرانداز کرتے رہے تو نہ ہم دنیا میں فلاح اور کامرانی حاصل کر پائیں گے اور نہ ہی آخرت کی کامیابی اور نجات ہمارے حصے میں آئے گی۔ اے مسلمانو! جو بھی اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے محبّت کرتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بے عملی کوئی راہِ انتخاب نہیں ہے۔ ہمیں رب کی عطا کردہ صحت اور وقت کی نعمت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے انہیں استعمال کرنا چاہئے، تاکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کے بدلے ہمیں کبھی نہ ختم ہونے والی جنّت سے نوازیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ

فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ »،'' دو نعمتیں جو بہت سے لوگ ضائع کر دیتے ہیں، اچھی صحت اور فارغ وقت ''(بخاری)۔

بے شک بہت عرصے سے امت کی سرزمین کفر، اللہ کی نافرمانی اور ظلم کی چکی میں دھنستی چلی گئی ہے۔ ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے پوری کریں حتیٰ کہ ہم اسلام کی روشنی سے ایک بار پھر منور ہو جائیں۔

فہرست

ہمیں کیسے فوجی کمانڈر کی ضرورت ہے؟

ارسلان فاروق، پاکستان

دنیا کی چھٹی بڑی آرمی کی کمان میں تبدیلی کے ساتھ ہی، طاقتور فوجی اسٹیبلشمنٹ اور اس کے آرمی چیف کے کردار پر پاکستان اور عالمی سطح پر بحث چھڑ گئی۔ جوہری ہتھیاروں سے لیس دنیا کی نویں طاقتور ترین فوج کے سترہویں کمانڈر ان چیف جنرل سید عاصم منیر سے پہلے آنے والے آرمی چیفس کے چھوڑے ہوئے ورثے کے حوالے سے بہت سی باتیں کی گئی ہیں۔ تاہم، پیشروؤں کی وراثت سے زیادہ، جو کہ انتہائی افسوسناک اور غصے کا باعث ہے، اس موضوع پر بات کی جانی چاہیے کہ فوجی کمانڈر کی پیشہ وارانہ ذمہ داری کیا ہے۔

تو، کس قسم کے فوجی کمانڈر کی ضرورت ہے؟

پاکستان میں چیف آف آرمی سٹاف ایک ایسا کردار ہے جو آج دنیا میں بنی نوع انسان کے خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے سب سے بڑی ذمہ داریوں میں سے ایک ہے۔ فوجی کمانڈر کے کردار کا تعین اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے، کیونکہ وہ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اکیلا تمام فوجی افسروں پر حاکم ہے۔ لہٰذا، فوجی کمانڈر کو مغربی اداروں کے نظریات، یا لوگوں کی خواہشات، استعماری بین الاقوامی برادری کی پسند و ناپسند یا امریکی فوج کی USCENTCOM، امریکی پینٹاگون اور امریکی محکمہ خارجہ کی پسند یا ناپسند، پر کوئی توجہ نہیں دینا چاہیے جو کہ "ڈو مور" کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

سابقہ یا موجودہ کمانڈر ان چیف کی میراث کا اندازہ اس دین کے مطابق کیا جانا چاہیے، جسے اللہ نے ہمارے لیے منتخب کیا ہے۔ پاک فوج کی رجمنٹ کا نصب العین اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس کے سربراہ کے کردار کے حوالے سے کمان کا مجسم نمونہ ہے۔ نئے آرمی چیف کا تعلق 23 ویں بٹالین فرنٹیئر فورس رجمنٹ سے ہے، جس کا نعرہ "لبیک" ہے، جس کا مطلب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے پوری طرح سر تسلیم خم کرنا ہے۔ حقیقی اسلامی فوجی کمانڈر اللہ

سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کسی طاغوت کی مرضی، فرمودات، ہدایات، رہنما اصولوں، قراردادوں یا احکام کی اطاعت نہیں کرتا۔

مسلمان فوجی کمانڈر کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

جب ظلم و جبر ہو رہا ہو تو اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ "ادارے کی عزت کی بحالی" کا دعویٰ کرتے ہوئے اس وقت فوج کو بیرکوں میں بھیج دیا جائے، "جیوا کنامکس" کو وجہ بنا کر مقبوضہ کشمیر اور ہندوستان میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر آنکھیں بند کر لی جائیں، "نظریہ ضرورت" کو بہانہ بنا کر استعماری بین الاقوامی طاقتوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا جائے، کمزور معیشت کا بہانہ بنا کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لیے جہاد کرنے سے منہ موڑ لیا جائے اور جمہوریت کا ساتھ دے کر "غیر سیاسی" ہو جایا جائے، جو کہ صرف ہماری صلاحیتوں کو برباد اور ہمارے مصائب میں اضافہ کرتی ہے۔

اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وہ فوجی کمانڈر معزز ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر مسلمانوں کی سرزمین، جان، مال اور عزت کی حفاظت کے لیے لڑے۔ اس طرح صلاح الدین ایوبی، سلطان محمد فاتح، محمود غزنوی، فرح الدین پاشا اور ٹیپو سلطان اربوں مسلمانوں کے دلوں اور دعاؤں میں زندہ ہیں۔ البتہ میر صادق اور میر جعفر سے مسلمان آج کے دن تک نفرت کرتے ہیں جنہوں نے اپنی فوجوں اور عوام کو کفار کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔

ہمیں اب جس غیرت مند فوجی جنرل کی ضرورت ہے، وہ اُس امریکی منصوبے کو ناکام بنائے گا جس کے تحت پاکستان کی فوج کو "تحمل"(Restraint) کے نام پر ہندوستان کے خلاف کسی بھی "غلط مہم جوئی" سے روک کر ہندو ریاست کو چین کے خلاف مضبوط کیا جا رہا ہے۔ وہ افغانستان میں امریکی فوجی اور اسٹریٹیجک مقاصد کی حمایت کو مسترد کر دے گا۔ ان امریکی مقاصد کے حصول کے لیے گراؤنڈ لائن آف کمیونیکیشن GLOCsاور اور ائر لائن آف کمیونیکیشن ALOC فراہم کر کے " Boulevard "فضائی راہداری دی گئی، جو امریکی ڈرونز کو ہمارے

حساس فوجی اثاثوں کی جاسوسی کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ وہ امریکی جاسوسی کے اڈوں کو بند کر دے گا جو سفارت خانے اور قونصل خانوں کے بھیس میں موجود ہیں، جو ہمارے فوجی مواصلات کو سن سکتے ہیں۔ وہ مقبوضہ کشمیر کو ترک کرنے کی پالیسی کو مسترد کر دے گا، جس کے نتیجے میں ہماری خواتین اور بچوں کو سفاک بھارتی فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ پاکستان میں آئی ایم ایف اور ایف اے ٹی ایف کی مداخلتوں کو مسترد کر دیں گے، جو ہماری معیشت اور ہماری فوج کو تباہ اور کمزور کرتے ہیں۔

لٰہذا اب ہمیں جس عزت دار فوجی جنرل کی ضرورت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے علاوہ کسی چیز کی پرواہ نہ کرے گا۔ وہ کبھی بھی امریکہ کو ہمارے معاملات پر کوئی اختیار نہیں دے گا۔ وہ اپنے علاقائی اور عالمی مقاصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن کا نہ تو ساتھ دے گا اور نہ ہی اس کی مدد کرے گا۔

ہمیں اب جس عزت دار فوجی کمانڈر کی ضرورت ہے، وہ کبھی بھی اپنی فوج کو ایک ایسے وقت میں بیرکوں تک محدود نہیں رکھے گا، جب اسلام کی حکمرانی کے دوبارہ قیام کے لیے اس فوج کی نصرت کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اسلام ظلم کے وقت خاموش رہنے کا نہیں بلکہ عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ** **"اور جو لوگ ظالم ہیں، ان کی طرف مائل نہ ہونا، نہیں تو تمہیں (دوزخ کی) آگ آ لپٹے گی اور اللہ کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں۔ اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہو گئے تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔"** (ہود، 11:113)

ہمیں جس فوجی کمانڈر کی ضرورت ہے وہ انصار کے معزز بیٹے، سردار سعد بن معاذؓ، جیسا ہو گا، جنہیں سب سے زیادہ معزز موت نصیب ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **اهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمَنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ** **"سعد بن معاذؓ کی موت پر الرحمن (اللہ) کا عرش ہل گیا تھا۔"** (بخاری)۔ عرش کے ہلنے کے بارے میں ابن حجر نے اپنی کتاب فتح الباری میں اس کی تشریح یوں کی ہے: والمراد باهتزاز العرش استبشاره وسروره

بقدوم روحه " لرزنے کے معنی ہیں اس (اللہ) کی خوشی اور اس (سعد) کی روح کے ملنے پر اس (اللہ) کی خوشی۔"

سعد بن معاذؓ کو ایسی باعزت موت دین کے قیام کے لیے نصرت اور اس کو پھیلانے کے لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے بعد ملی تھی۔

نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام کے لیے فوجی کمانڈرز کی جانب سے نصرت دینے کے بعد، خلیفہ فوجی کمانڈرز کو متحرک کرے گا۔ خلیفہ کبھی بھی مسلمان عورتوں اور بچوں کو ظالموں اور جابروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے گا، چاہے وہ کشمیر کے ہوں یا فلسطین کے ہوں۔ وہ مظلوم کی پکار پر لبیک کہے گا، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے خود پر عائد ذمہ داری کو جانتے ہوئے وہ آج کے صلاح الدین کو بھیجے گا۔ خلیفہ پچاس سے زیادہ قومی ریاستوں میں بٹے ہوئے مسلمانوں کو انتشار کی حالت میں نہیں چھوڑے گا۔ ایک خلافت کی کمان میں ایک صلاح الدین کو غداروں اور کفار کے ساتھیوں کی بیخ کنی کے لیے بھیجا جائے گا۔ اور ایک ایسی فوج کے ذریعے دنیا کے ظالموں کو ایک ایک کر کے معزول کر دیا جائے گا جو بالآخر انسانیت کو انسان کے بنائے ہوئے قانون کے ظلم سے آزاد کرائے گی۔

ہمیں جس فوجی کمانڈر کی ضرورت ہے اس کا کردار واضح ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کون اٹھے گا؟ یہ، دیکھنا باقی ہے۔

فہرست

مابعد جدیدیت(Postmodernism)

شایان سہیل، پاکستان

(Postmodernism)یعنی مابعد جدیدیت کی ایک مفروضے کے طور پر تعریف اکثر مختلف وجوہات کی بناپر ایک مخمصہ ہی رہی ہے۔اس کے مفکرین نے دانستہ طور پر اس کو غیر واضح رکھنے کی کوشش کی۔ بظاہر اس کا غیر متعلق موضوعات پر وسیع تر اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ علمی و نظریاتی موضوعات مثلاً سیاسیات، تنظیمی نظریہ، ثقافتی علوم، فلسفہ سائنس، اقتصادیات، لسانیات، فن تعمیر، حقوقِ نسواں کا نظریہ اور ادبی تنقید، نیز ادب اور موسیقی جیسے شعبوں میں فنون پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔بظاہر مختلف اور بعض اوقات متضاد تعریفیں وقت کے ساتھ ساتھ مختلف سطح پر اختلاف رائے کے ساتھ مابعد جدیدیت (Postmodernism) کے دانشوروں کے مابین استعمال ہوتی رہی ہیں۔ اس کے "تعریف کے قابل نہ ہونے کو" ایک حقیقت مانتے ہوئے ، اسٹینفورڈ انسائیکلوپیڈیا (Postmodernism) مابعد جدیدیت کی تعریف یوں کرتا ہے:" دیگر تصورات جیسے موجودگی، شناخت، تاریخی پیشرفت، علمی یقین،اور معنی کی یکجہتی کو غیر مستحکم کرنے کے لیے تنقیدی، تزویراتی اور بیاناتی طریقوں پر مشتمل تصورات کا ایک مجموعہ جس میں فرق، تکرار، ٹریس، شباہت، اور hyper-reality جیسے تصورات کو استعمال کیا جاتا ہے"۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مابعد جدیدیت(Postmodernism) کا خاصہ یہ رہا ہے کہ وہ معاشرے کی موجودہ حالت کو حقارت، خود پسندی، عدم احساس، خود غرضی اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ فلسفے کے میدان میں اس کا اظہار post-structuralism، anti-foundationalism، حقیقت پسندی اور مابعد الطبیعات(metaphysics) کے زوال کے طور پر ہوتا ہے اور یہ برطانیہ وامریکہ کے تجزیاتی فلسفے اور جرمنی وفرانس کی براعظمی فلسفے کے درمیان تقسیم کو ظاہر کرتی ہے۔ سیاست میں اس کا اظہار شناخت کی سیاست، انتشار کی فکر

اور سیاسی درستگی کی بحثوں میں ہوتا ہے۔ مابعد جدیدیت کی سوچ عالمگیری بیانیوں کی وحدت کے خلاف ہے اور انہیں مختلف علاقوں میں مختلف الانواع کے بیانیوں سے تبدیل کرنے کی بات کرتی ہے۔ تنقیدی تناظر میں یہ سوچ اس بات پر زور دیتی ہے کہ بیانیوں کو جزیات میں تقسیم کیا جائے، اور یہ نسبتیت اور طاقت کی حرکیات کی بات کرتی ہے، اور اس بات پر زور دیتی ہے کہ جدیدیت سے قبل اور جدیدیت کے شروع کے دور کی روایات کو ان شناختوں کے تناظر میں دیکھا جانا چاہئے جنہیں تاریخی طور پر کونے میں دھکیل دیا گیا اور جو جدیدیت کے مخالف تھیں۔ اسی طرح مابعد جدیدیت کی سوچ کا اطلاق فنون لطیفہ کے کئی میدانوں میں بھی کیا جاتا ہے اور متعدد دوسرے شعبوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جہاں مابعد جدیدیت کا اطلاق ہوتا ہے۔

مابعد جدیدیت کی فکر کی شروعات 1970 کے عشرے میں ہوئی، بنیادی طور پر براعظم یورپ خصوصاً فرانس سے اس کا آغاز ہوا، اسی وجہ سے اسے فرانسیسی نظریہ بھی گردانا جاتا ہے۔ مابعد جدیدیت کے مفکرین جیسے، جیک ڈیریڈا، مائیکل فوکالٹ، جین فرانسوئس لیوٹارڈ، جین باڈرلارڈ، اور دیگر نے روایتی اینگلوامریکن علمی گفتگو کو چیلنج کیا جس نے روشن خیال دور کے جدید اصولوں سے جنم لیا تھا اور اس سوچ کو ترویج دی کہ فلسفے، مذہب اور دیگر ہر قسم کے غالب بیانیوں کو نئی نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اپنے تئیں ان کی یہ کوشش تھی کہ حقیقت کا ایسا فہم حاصل ہو جو زیادہ تفصیلی اور باریک بین ہو اور ظلم کا سبب نہ بنے۔ اگرچہ مابعد جدیدیت کے مفکرین ایک متفقہ رائے تشکیل نہیں دے پائے، لیکن وہ حقیقت کا ادراک کرنے کے اس تنقیدی رویے پر متفق تھے جو اس مفروضہ سے پھوٹتا ہے کہ تمام علم جزوی اور مقامی ہے، اور ان کا تصور یہ تھا کہ معاشرے میں رائج وغالب بیانیہ اشرافیہ نے تشکیل دیا ہے اور ان کے اقتدار کے مفادات کی خدمت کرتا ہے۔ نطشے(Nietzsche) ، کیرک گارڈ(Kierkegaard) اور ہیڈ گر(Heidegger) اگرچہ خود مابعد جدیدیت کے دور میں نہیں تھے مگر مابعد جدیدت کے مفکرین متفقہ طور پر ان کی سوچ سے متاثر ہوئے۔ اہم بات یہ ہے کہ ڈیریڈا، فوکالٹ، لیوٹارڈ سبھی نے اپنے علمی کیریئر کا آغاز مارکسسٹ کے طور پر کیا۔

مابعد جدیدیت (Postmodernism) کے عروج کو، خاص طور پر فرانس میں، اس تاریخی پس منظر میں بھی سمجھنے کی ضرورت ہے جس میں یہ پروان چڑھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد فرانسیسی دانشوروں کو متعدد تاریخی صدموں کا سامنا کرنا پڑا جیسا کہ فرانس کا زوال، کالونیوں پر قبضے، فرانس پر شدید تنقید، سرد جنگ اور ایٹمی دور کے وجود کی غیر یقینی کی صورتحال، انڈوچائنا میں ذلت آمیز شکست اور الجزائر میں استعماری نظام کے خلاف بغاوت جس نے چوتھی جمہوریہ کے خاتمے کا آغاز کیا اور قوم کو خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچایا۔ ان برسوں کے دوران فرانس نے جن معاشرتی اور ثقافتی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا وہ بھی اتنی ہی زود اثر تھیں۔ فرانس بنیادی طور پر زیادہ تر دیہی سے شہری معاشرے میں تبدیل ہو گیا۔ روایتی ثقافتی اقدار کو بڑے پیمانے پر بڑھتی ہوئی ثقافت سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ فرانس جو کہ اس سے پہلے یورپ کی بڑی طاقتوں میں سے تھا، اب عالمی سیاست کے اسٹیج پر قدرے چھوٹے کھلاڑی کی حیثیت سے اپنے آپ کو ایک نئے کردار کے مطابق ڈھلنے پر مجبور ہو گیا۔ ان تباہ کاریوں نے اس تصوراتی ڈھانچے کو تباہ کر دیا جس کے تحت فرانسیسی دانشور کام کرتے تھے اور اس نے ایک نئی فلسفیانہ مایوسی (nihilism) کو جنم دیا جو بالآخر، مغربی لبرل تہذیب اور روشن خیال دور کے ہر بنیادی تصور پر عدم اعتماد کی صورت میں تبدیل ہو گئی، خاص طور پر لسانیات، ثقافت اور منطق جیسے اہم اور بنیادی ترین تصورات۔

پس شروع میں مابعد جدیدیت مغربی لبرل سرمایہ دارانہ نظام اور نازیوں، فاشسٹوں، سوویتوں کی غاصبانہ وحشت، دونوں کے خلاف ایک ردِ عمل کے طور پر ظاہر ہوا۔ جب 70 کی دہائی کے وسط میں مابعد جدیدیت کو تقویت ملی، تو اس کو اس طرح سمجھا گیا کہ یہ '68 کی مایوس انقلابی نسل اور اس کے ممبران کا پیشہ ورانہ اور نگران 'نئے متوسط طبقے' میں شمولیت کی عکاسی کرتا ہے، اور سیاسی مایوس کن ناکامی اور سماجی نقل و حرکت کی علامت ہے۔ تاہم موجودہ دور کے مابعد جدیدیت کے مفکرین کے لئے یہ اپنے آپ میں ایک اہم فکری یا ثقافتی مظہر کے طور پر تیار ہوا ہے۔

(Postmodernism) کی اصطلاح 1979 میں جین فرانسوائس لیوٹارڈ کی " The Postmodern Condition" کی اشاعت کے ساتھ ہی فلسفیانہ لغت میں داخل ہوئی۔ اس کتاب میں

لیوٹارڈ نے مابعد جدیدیت کی تعریف یوں بیان کی کہ وہ بیانیوں پر مبنی بیانیے یعنی (metanarratives) کی طرف غیر یقینی کا رویہ اختیار کرتی ہے۔ metanarrative سے مراد ایسا نظریہ ہے جو عالمگیر سچائی یا عالمگیر اقدار کی دلیل پر مبنی مختلف تاریخی واقعات، تجربات اور معاشرتی و ثقافتی مظاہر کو مجموعی اور جامع وضاحت دینے کی کوشش کرتا ہے۔ سادہ الفاظ میں مابعد جدیدیت کی فکر ہر اس نظریے یا عقیدے کی طرف ایک شدید شکوک و شبہات کا رویہ اپناتی ہے جو دنیا کے مسائل کی ٹھوس وجوہات بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایک ایسا طریقہ پیش کرتا ہے جس کے ذریعے ضروری اصلاحات ہو سکتی ہیں، جیسا کہ مذہب، مارکسزم، فرائیڈیانزم وغیرہ۔ اسی طرح مابعد جدیدیت کی فکر عالمگیر نوعیت کے تمام افکار بشمول عقل کا استعمال، فطرتِ انسانی، معاشرتی ترقی، معروضی (objective) سچائی اور معروضی حقیقت کے تصورات کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

مابعد جدیدیت استدلال کرتی ہے کہ روشن خیال دَور کا منصوبہ انسانوں کی زندگیوں کو بہتر بنانے میں ناکام رہا ہے، اور اس ناکامی کا ثبوت دو عالمی جنگیں، ایٹمی تباہی کا خطرہ اور ماحولیاتی مسائل ہیں۔ اگرچہ روشن خیال دَور کے مفکرین یہ سمجھتے تھے کہ ہر مسئلے کو عقل کے ذریعے واضح کیا جا سکتا ہے اور اس کا حل نکالا جا سکتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں ایسی نظریاتی روایات تشکیل پائیں جو مثالی زندگی سے متصادم تصورات پیش کرتی ہیں، مثال کے طور پر، لبرل ازم اور مارکسزم، اور ان کی ناکامی نے عقل سے پیدا ہونے والے ایسے تمام بیانیوں پر مبنی بیانیے (metanarratives) پر عوامی اعتماد کو مجروح کر دیا ہے۔ اس کے برعکس مابعد جدید معاشرے جو کہ عالمگیر ہیں، جن میں میڈیا حاوی ہے، صارفین سے چلنے والے صنعتی دور کے بعد کے معاشرے ہیں، ان میں رہنے والے لوگ اب کسی بیانیوں پر مبنی بیانیے (metanarratives) کے ساتھ اپنی شناخت منسوب نہیں کرنا چاہتے، اور اس کی بجائے وہ معاشرے کی جزوی تقسیم اور تنوّع کو ترجیح دیتے ہیں، تاکہ تمام اقدار کو قابل قدر اور مساوی سمجھا جائے۔

مابعد جدیدیت کے دانشوروں کا دعویٰ ہے کہ یہ نظریہ بڑے اور جدید شہروں میں وقت کے ساتھ ساتھ فہم و تفہیم کے مختلف طریقوں سے آگاہی اور بڑھتے ہوئے شعور کی وجہ سے تشکیل پایا۔ اس طرح مابعد جدیدیت صنعتی دور

کے بعد کے نظام سے جڑی ہوئی ہے، یعنی کہ معاشرے کی ترقی اب پیداواری صنعت کی محتاج نہیں، بلکہ اس کا زیادہ انحصار علم اور مواصلات پر ہے۔ایسے معلومات سے آگاہی رکھنے والے معاشروں میں، طبقاتی، مذہبی اور نسلی وفاداریوں کی جگہ انفرادیت لے لیتی ہے۔

لیوٹارڈ کا دعوی ہے کہ مواصلات، ماس میڈیا اور کمپیوٹر سائنس کے شعبوں میں تکنیکی ترقی کی وجہ سے بیانیوں پر مبنی بیانیے "اپنی ساکھ کھو چکے ہیں"۔ پھر وہ یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ بیانیوں پر مبنی بیانیے کی مطلق العنانیت (totalitarianism) کی جگہ متعدد چھوٹے اور مقامی بیانیے کو ترجیح دینی چاہیے۔ پس، مخصوص مقامی پس منظر اور انسانی تجربات کے وسیع تنوع کو نظر میں رکھتے ہوئے مابعد جدیدیت "نظریاتی نکات کی کثرت" یا پھر "فلسفیانہ نسبتیت" کی بات کرتا ہے، یعنی کہ علم اور سچائی ہر فرد یا مقام کے لئے فرق ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعداز جدید معاشرے میں مقامی حقیقتوں کی بے ربطگی کے باعث, متعدد غیر متوازی اور متضاد چھوٹے بیانیے جنم لیتے ہیں اور یوں شناخت کی سیاست (identity politics) کا ظہور ہوتا ہے۔

جیکوس ڈیریڈا (1939-2004)، جو مابعد جدید نظریہ نگاروں میں سے ایک ہے، اس نے بھی اس تصور کو برقرار رکھا کہ کوئی معروضی یا مطلق سچائی موجود نہیں ہے اور حقیقت کے بارے میں غالب بیانیہ تو اشرافیہ کا تشکیل کردہ ہے۔اس کا مشہور جملہ "متن سے باہر کچھ بھی نہیں" (nothing outside the text) اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ حقیقتیں صرف مخصوص پس منظر کے مطابق ہوتی ہیں اور ان کا اطلاق عالمگیر نوعیت کا نہیں ہوتا۔عالمگیر نوعیت کے غالب بیانیے کا مقصد محض اشرافیہ کے اقتدار کے مفاد کو پورا کرنا ہے، اور اقلیتوں (یا 'دوسروں') پر ظلم اور جبر کرنا ہے۔ڈیریڈا کے مطابق، زبان حقیقت کی نمائندگی کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔زبانوں کے علامات واشارات کے حتمی معنی (semiotic determinants) ہی اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ان کے ذریعے حقیقت کی ایک معروضی نمائندگی کی جاسکے۔ چونکہ زبان حقیقت سے ایک مقامی اور وقتی دوری (spatial and temporal distance) پر ہوتی ہے، اس لئے اس کا مفہوم کبھی بھی 'موجود' نہیں

ہوتا ہے، بلکہ یہ دوسرے اشاروں سے موخر ہوتا ہے، چنانچہ اس طرح لسانوی بنیاد پر حقیقت سے متعلق تمام دعوے ثانوی اور ماخوذ ہیں۔ ڈیریڈا نے اس کے لئے 'Différance' کی اصطلاح استعمال کی جس کے دوہرے معنی ہیں یعنی 'مختلف کرنا' اور 'موخر کرنا'۔ اس کے دلائل میں، ڈیریڈا فرڈینینڈ ڈی سوسور Ferdinand de Saussure کے مندرجہ ذیل دو دعوؤں پر انحصار کرتا ہے۔ اول: لسانی نظام اندرونی اختلافات کے ایک تسلسل کے ذریعہ تشکیل پاتے ہیں جن کا حقیقت کے ساتھ براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور دوئم: گفتگو میں استعمال ہونے والے مظاہر یا اشارے صوابدیدی ہوتے ہیں یعنی معنی کے اعتبار سے قطعی نہیں ہوتے۔ لہذا، اگر 'موجودگی' (presence) سے پہلے 'فرق' (difference) ہے، اور لسانی اشارے محض صوابدیدی ہیں تو، حقیقت کا منظم ادراک لسانی طور پر ناممکن ہے۔ نیز، ڈیریڈا نے یہ بھی دعوی کیا ہے کہ کلاسیکی فلسفیانہ مخالفت میں پرامن باہمی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک جابرانہ منظم درجہ بندی وقوع پذیر ہوتی ہے: دو اصطلاحات میں سے ایک دوسری پر حاوی ہوتی ہے یا اس پر حاکم بن جاتی ہے مثال کے طور پر اہمیت کنندہ پر اہمیت دی گئی چیز، قابل فہم پر سمجھدار، تحریر پر تقریر وغیرہ۔ ڈیریڈا نے پھر تجویز پیش کی کہ تحریر کو لازمی طور پر اس کے اجزاء میں تقسیم کیا جائے، یعنی اس کو واپس ان اجزاء میں تبدیل کیا جائے جن سے اس کی تشکیل ہوئی ہے اور پھر نئے انداز میں اس کے معنی کا اظہار کیا جائے، تاکہ متن کے اندر موجود تضاد واضح ہوں اور جابرانہ منظم درجہ بندی کو الٹ دیا جائے۔ پُر اثر ہونے کے لئے اور اس کے اجزاء میں تقسیم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نئی اصطلاحات ایجاد کی جائیں جن کو اس تضاد میں نہیں شامل کیا جا سکتا۔ ڈیریڈا نے ان اصطلاحات کو undecidables کا نام دیا۔

میشیل فوکالٹ نے بھی اسی طرح عقل کے خلاف اپنا کیس بنایا۔ فوکالٹ کے لئے، سچ نہ تو غیر جانبدار ہے اور نہ ہی غیر امتیازی، بلکہ یہ طاقت سے جڑا ہوتا ہے اور جدا نہیں کیا جا سکتا۔ 'Truth and Power' میں فوکالٹ دعوی کرتا ہے کہ "سچائی اس دنیا کی ایک چیز ہے" اور اس کو "بیانات کی پیداوار، ضابطہ، تقسیم، گردش اور عمل کے لئے ترتیب شدہ طریقہ کار کے نظام کے طور پر" سمجھنا ضروری ہے۔ لہذا، حقیقت "طاقت کے نظام کے ساتھ ایک گردشی

(circular) رشتے میں جڑ جاتی ہے جو اسے پیدا کرتا ہے اور اسی کو برقرار رکھتا ہے، اور طاقت کے اثرات کے ساتھ بھی ایسے ہی جڑ جاتی ہے کہ ان اثرات کو پیدا کرتی ہے اور وہ اثرات اس کی مزید توسیع کرتے ہیں"۔ فوکالٹ کے نزدیک ، سچائی ایک خطرناک تصور ہے کیونکہ خود ایک معروضی حیثیت اختیار کرتے ہوئے یہ انتہائی منظم طریقے سے اپنے اندر کے تعصب، جانبداری اور امتیازات کو چھپادیتی ہے۔ پس، طاقت ہی سچائی کے بھیس میں بدل جاتی ہے، اور اسی وجہ سے فوکالٹ کا دیا لفظ 'power-knowledge' ایجاد ہوا۔ فوکالٹ کے لئے علم کے حصول کے تاریخی تجزیے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "تمام علم ناانصافی پر مبنی ہے، اور یہ کہ کچھ بھی صحیح نہیں ہے، حتیٰ کہ علم جاننے کے عمل میں بھی، کوئی سچائی یا کسی قسم کی سچائی کی کوئی بنیاد نہیں۔ اور یہ کہ حق کی جبلت ہی بدنیتی پر مبنی ہے (جیسے کوئی قاتلانہ چیز ہو جو انسانیت کی خوشی کے خلاف ہو)۔ یہاں یہ واضح رہے کہ فوکالٹ علم کے صرف کچھ خاص مظاہر کی مذمت نہیں کر رہا ، بلکہ ہر طرح کے علم کا خاصہ بیان کر رہا ہے کہ یہ "کوئی قاتلانہ چیز" ہے اور ناانصافی کی بنیاد پر تعمیر ہے۔ فوکالٹ کے لئے 'حق' یا 'انصاف' کے تمام دعوے طاقت کے دعوے کے تحت ہی دائر ہوتے ہیں۔ طاقت ہی ہر چیز کی مابعد الطبیعاتی بنیادی اساس ہے، جو ہمیشہ ہر جگہ موجود ہے۔ بہر حال، 'طاقت ہی ہر جگہ مجسم ہے' اور یہ مختلف مباحثوں، علم اور 'سچائی کی حکومتوں' کے پردے میں چھپی ہے۔

پس واضح ہے کہ مابعد جدیدیت چار اہم اصولوں پر مبنی ایک عالمگیر بیانیے پر مبنی نظریہ ہے۔ اول: نسبتی رویہ (relativism)، یعنی کہ سچائی (سائنسی، تاریخی، نفسیاتی، مزاجی، قدرتی وغیرہ) سماجی تعمیرات ہیں جن کا انحصار طاقت پر ہے جو کہ خصوصاً نسل، طبقہ، جنس اور جنسی رجحان، کے اختلافات میں ظاہر ہوتی ہے۔ دوئم: شکوک و شبہات کا رویہ، یعنی کہ کسی بھی قسم کا معروضی علم Objective knowledge حاصل کرنا ناممکن ہے (اور زبان خود سے باہر کی حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کرتی)۔ سوئم: منطقیت (logocentrism) کی مذمت کرنا، یعنی عقل ایک ایسا آلہ ہے جسے بااختیار گروہ مظلوموں پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ چہارم: اور حریت، جس کو حاصل کرنے کے لئے ان عالم گیر بیانیوں اور درجوں کو اجزاء میں تقسیم کرنا ہوگا جنہیں اہلِ طاقت استعمال

کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ صداقت کی قدر کرنا ہوگی یعنی مظلوم گروہوں کے جذبات اور تجربات کو عقلی دلائل پر ترجیح دینا ہوگا۔ امبرٹو ایکو(Umberto Eco) کے مطابق مابعد جدیدیت در حقیقت "یہ احساس ہے کہ ماضی ہم پر پابندیاں عائد کر رہا ہے، ہم پر حاوی ہو رہا ہے، ہمیں بلیک میل کر رہا ہے"۔

مغربی علمی حلقوں میں مابعد جدیدیت نے بہت سے تنازعات کو جنم دیا، کیونکہ اس نے تمام تر روایتی مغربی ہرمینیٹک ماڈل(hermeneutic model) یا تجربات کو سمجھنے کے لئے طریقہ کار پر شک پیدا کر دیا۔ کلاسیکل لبرلز مابعد جدیدیت پر بے جا اور لا محدود نسبتی رویہ(relativism) اپنانے کا الزام لگاتے ہیں، جیسا کہ یہ سمجھنا کہ سائنس بھی کسی معتبر طریقے سے سچائی کو جھوٹ سے ممتاز کرنے کے قابل نہیں۔ ایک امریکی عقلیت پسند فلسفی کے مطابق مابعد جدیدیت کے دانشور: "...اس عقلی خبط کے ذمہ دار ہیں جس نے سچ اور سچائی کے متعلق مشکوک و مذموم ہونے کو معتبر بنا دیا ہے"۔ روایتی مارکسسٹ مابعد جدیدیت پر ایک طرح کی قدامت پسندی کا الزام لگاتے ہیں، کیونکہ یہ ایک ایسے سیاسی موقف کی بات کرتا ہے جو کسی قسم کی بنیاد کو نہ تو اپناتا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا نقطہ نظر پیش کرتا ہے جس سے موجودہ نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا جا سکے، اور نہ ہی کسی متبادل معاشرتی نظام کی تعمیر کی کوئی تجویز پیش کرنے کے قابل ہے۔ مارکسسٹ کے نزدیک، مابعد جدیدیت پرولیتاری طبقہ کی مزید تقسیم کے ذریعے روایتی طبقاتی جدوجہد کو مجروح کرتی ہے اور یوں در حقیقت لبرل حالات کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔

مبہم زبان کے استعمال کی وجہ سے بھی مغربی علمی حلقوں میں مابعد جدیدیت پر حملہ کیا گیا ہے۔ ناقدین کے مطابق مابعد جدیدیت کے دانشوروں کا منطق پر الفاظ کو ترجیح دینے کے نتیجے میں ایک ایسا نظریہ پیدا ہوا ہے جو فلسفیانہ سے زیادہ ادبی ہے اور شاید ہی کبھی کسی عقلی نتیجہ پر یا سائنسی طور پر ثابت کیے جا سکتے نتیجہ پر پہنچا جاتا ہے، صرف اسی وجہ سے کہ یقینی طور پر یہ سمجھنا ہی اتنا مشکل ہے کہ اصل میں کیا کہا گیا ہے، اس کی تحریروں کی اتنی متنوع قسم کی تشریحات سامنے آئیں ہیں اور یوں دلائل میں غیر معقولیت اور منطقی تضاد مزید پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ فطری طور پر اس کے نتیجے میں کسی بھی بات پر تنقید کرنے میں زبردست دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ امریکی فلسفی جان سیرل John Searle

کے مطابق: "میشیل فوکالٹ نے ایک بار مجھ سے ڈیریڈا کے نثر کے طرز کو ‘obscurantisme terroriste’ کہا۔ متن اتنے غیر واضح طور پر تحریر کیا گیا ہے کہ آپ یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ مقالہ کیا ہے (لہذا غیر واضح انداز یعنی obscurantisme) اور پھر جب کوئی اس پر تنقید کرتا ہے تو مصنف کہتا ہے کہ، "تم نے مجھے غلط سمجھا، تم بیوقوف ہو" (لہذا دہشت گردی یعنی terroriste)۔

مابعد جدیدیت سے متاثر ہونے والے تمام مضامین میں بھی یہی مسئلہ اجاگر ہوا ہے۔ جوڈتھ بٹلر Judith Butler، تیسری نسل کی ماہرِ نسواں، جو ذاتی طور پر 'مابعد جدیدیت' کی اصطلاح کو معنی خیز نہ سمجھنے کی وجہ سے خود کے لئے استعمال نہیں کرتی، اس کا مندرجہ ذیل جملہ مابعد جدیدیت کے مبہم ہونے کی بالکل واضح منظر کشی ہے: " "ایک ساختیاتی پوزیشن سے، جس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ سرمایہ معاشرتی تعلقات کو نسبتاً ہم آہنگ طریقوں سے تشکیل دیتا ہے، اس سے بالادستی کے اس نظریے کی جانب تغیر جس میں طاقت کے تعلقات ہم آہنگی، اور تکرار کے تابع ہوتے ہیں، ساخت کی سوچ میں عارضیت کے سوال کو لے آئے، اور التھوسیرین تھیوری کی ایک شکل سے ایک تبدیلی کا آغاز کیا، جس تھیوری کے مطابق ساختی لہجوں کو نظریاتی اشیاء کے طور پر لیا جاتا ہے، وہاں سے تبدیل کر کے ساخت کے ممکنہ امکان کے بارے میں بالادستی کے ایک نئے تصور کا آغاز کرتی ہے جو کہ طاقت کی دوبارہ تشکیل کے ممکنہ مقامات اور حکمت عملیوں کے ساتھ منسلک ہے"۔

مہذب اور بے ہودگی کے درمیان فرق نہ صرف دوسرے لوگوں کے لئے بلکہ مابعد جدیدیت کے اپنے لوگوں کے لئے بھی مشکلات کا باعث بنا ہے، جیسا کہ 1996 میں فزکس کے پروفیسر، ایلن سوکل Alan Sokal کے ‘Sokal hoax’ نے واضح کیا تھا۔ انہوں نے "حدود سے تجاوز: کوانٹم کشش ثقل کی Hermeneutics کی تبدیلی کی طرف" کے عنوان سے ایک مضمون Social Text جریدے میں پیش کیا، جو کہ مابعد جدید ثقافتی مطالعے کا ایک معروف تعلیمی جریدہ ہے۔ کسی بھی معمولی ثبوت یا دلیل کے بغیر سوکل نے مضمون میں یہ دعویٰ کیا کہ 'مادی حقیقت'، یعنی مادی حقیقت کے مطابق ہمارے فلسفیات نہیں، بلکہ حقیقت خود ایک

معاشرتی اور لسانی تعمیر کا نتیجہ ہے۔انہوں نے مزید دعوی کیا کہ کوانٹم کشش ثقل میں ترقی پسند سیاسی مضمرات پائے جاتے ہیں،اور یہ کہ 'morphogenetic field' کوانٹم کشش ثقل کا ایک درست نظریہ ہو سکتا ہے۔ مضمون شائع ہوا،اور تین ہفتوں بعد ہی سوکل نے انکشاف کیا کہ یہ ایک مذاق اور دھوکہ ہے۔اس کے بعد سوکل نے کہا کہ 'جو بھی شخص یہ مانتا ہے کہ طبیعیات کے قوانین محض معاشرتی تعمیرات ہیں وہ آئے اور میرے اپارٹمنٹ کی کھڑکیوں سے ان تعمیرات سے تجاوز کرنے کی کوشش کرے، میں اکیسویں منزل پر رہتا ہوں۔ حالیہ برسوں میں، سوکل کی طرز کے جعلی مضامین کامیابی کے ساتھ کئی دیگر تعلیمی جرائد میں شائع ہوئے ہیں، جس سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ علمی حلقات دھوکہ بازوں کے لئے کھیل کے میدان بن چکے ہیں اور ایسی کسی بھی قسم کی کوئی بات نہیں ہے جس کا ان جرائد میں بغیر ثبوت دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ ایڈیٹرز کے اپنائے ہوئے نظریات سے مطابقت رکھتے ہوں اور اسی طرح کی مبہم، غیر واضح زبان استعمال کریں جیسے ممتاز 'دانشور' کرتے ہیں۔

اس مختصر خلاصہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مابعد جدیدیت ایک غیر منطقی، غیر عقلی اور سائنسی بنیادوں پر ایک کمزور عقیدہ ہے۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ یہ بنیادی طور پر ہی اسلامی عقیدہ سے متصادم ہے۔ یہ نظریہ روشن خیال دور کے اقدار کے نقاد کے طور پر ابھرا، لیکن روشن خیال دور کے مفکرین کی غلطیوں کو سمجھنے اور کسی بھی طرح کے درست نتائج پر پہنچنے میں ناکام رہا۔

اس کے ساتھ ہی، لیوٹارڈ کے بیانیوں پر مبنی بیانیے (metanarratives) کی طرف غیر یقینی کو خود ایک بیانیوں پر مبنی بیانیہ کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ فرض کرنے سے کہ مابعد جدیدیت میں بیانیوں پر مبنی بیانیے کے بارے میں ہمیشہ ایک شک وشبہ کا رویہ پایا جاتا ہے، 'عالمگیری شکوک وشبہات' خود ہی ایک ہم عصر بیانیوں پر مبنی بیانیے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مابعد جدیدیت کے نظریے نے خود بہت سارے 'افکار' کو تسلیم کیا ہوا ہے، مثال کے طور پر، سائنس، پدرانہ اقتدار (patriarchy)، طاقت کے تعلقات، جنسیات وغیرہ کے بارے میں نقطہ ہائے نظر، اور یہ سب مل کر ایک بیانیوں پر مبنی بیانیے کو تشکیل دیتے ہیں، پس مابعد جدیدیت کا بیانیوں پر مبنی بیانیے پر تنقید کرنا خود اپنے

آپ میں ہی متضاد ہے (یوں، مابعد جدیدیت "نظریوں کو مسترد کرنے کا نظریہ ہے") اسی طرح، اگر کسی کو 'سچ'، 'علم'، 'صحیح'، یا 'غلط' جیسے عالمگیری تصورات میں ہی شک ہے تو، لیوٹارڈ کے اس 'سچ' کو قبول کرنے کی بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی کہ تکنیکی ترقی کی وجہ سے بیانیوں پر مبنی بیانیے کمزور ہو چکے ہیں۔ یہ مابعد جدیدیت کی منطقی بے ضابطگی کو ظاہر کرتا ہے۔

ایک اور منطقی تضاد یہ ہے کہ جہاں مابعد جدیدیت تمام بیانیوں پر مبنی بیانیے کے متعلق عالمگیری شکوک و شبہات کا رویہ اختیار کرتی ہے، وہیں اسکے مفکرین کم و بیش اپنے خیالات میں مارکس کے تصورات سے ہدایت حاصل کرتے رہے ہیں۔ مابعد جدیدیت کی نظریاتی حوصلہ افزائی کے لئے ذمہ دار زیادہ تر فرانسیسی مفکرین (ڈیریڈا، فوکالٹ، لیوٹارڈ، بارتس وغیرہ) بنیادی طور پر مارکسسٹ مفروضوں کے تحت کام کرتے رہے ہے۔ ان فرانسیسی دانشوروں کے لئے، جو کہ مارکس، اسٹالن اور ماؤ کے پرجوش حامی تھے، اجتماعیت پیدا کرنے والے منصوبوں کی ہولناکیوں کے آشکار ہونے کے بعد اور یہ واضح ہونے کے بعد کہ مارکسسٹ نظریہ بذات خود ہی ایک مسئلہ ہے نہ کہ نااہل بیوروکریسی کے ذریعے اس پر عمل درآمد ہونا، مارکسزم کو مابعد جدیدیت میں بدلنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس طرح، اس بے ایمان تدبیر کے ذریعے مارکسزم اپنے نظریات کے ہولناک نتائج کے لئے جوابدہ ٹھہرائے جانے کی بجائے فکری و علمی حلقوں میں اپنا وقار برقرار رکھنے میں کامیاب ہو سکے۔ مارکسی تصورات، اگرچہ ناقابل فہم زبان میں چھپائے گئے ہیں، مابعد جدیدیت کے لٹریچر میں کثرت سے موجود ہیں، اور مارکسسٹ مخالف ہونے کا دعوی کرنے والے مابعد جدید مفکرین کا مارکسزم پر محض بیانات داغنا، ایک صریحاً غلط گردشی دلیل ہے۔

یہ مارکسسٹ مفروضے ہی لیوٹارڈ کے اس 'سچ' کی غیر منطقیت کا سبب ہیں کہ تکنیکی ترقی کی وجہ سے بیانیوں پر مبنی بیانیے کمزور ہو چکے ہیں، کیونکہ یہ دعویٰ کرنے میں وہ معاشرے کے متعین اجزاء کو صحیح طرح سمجھنے میں ناکام رہا ہے، اور معاشرے کے دو مکمل طور پر مختلف پہلوؤں کو اکٹھے جوڑ دیتا ہے: یعنی، مادیت پرستی کا پہلو اور نظریاتی پہلو۔ معاشرے کے اجزاء دراصل وہ بنیادیں ہیں جن پر افراد کے مابین مستقل تعلقات استوار ہوتے ہیں اور وہ عوامل ہیں جو

ان تعلقات کو منظم کرتے ہیں۔اس طرح، معاشرے کی تشکیل اس کے افکار پر منحصر ہوتی ہے یعنی کہ اس میں خیالات اور تصورات کے لحاظ سے کیا پایا جاتا ہے، اور ان سے کیسے جذبات و اقدار پھوٹتے ہیں۔اس سے متصل ان باتوں کا علم ہونا ضروری ہے جو اس معاشرے میں موجود رشتوں کو نظام اور قوانین کے لحاظ سے منظم کرتے ہیں۔پس یہ واضح ہے کہ معاشرے کی مادی ترقی کا معاشرے کی تشکیل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔لہذا معاشرے کی سائنسی اور تکنیکی ترقی پر مبنی مادی ترقی کو معاشرے کے اندر پائے جانے والے افکار اور تصورات کی بنیاد پر عمل پیرا نظاموں سے علیحدہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔تمام تاریخی اور عصری معاشروں کی حقیقت یہی ہے کہ بیرونی عوامل، یعنی سائنسی اور تکنیکی ترقی پر مبنی مادی ترقی، لوگوں پر لاگو ہونے والے نظاموں کا تعین نہیں کرتی ہے۔اور پس، دو معاشروں کے مابین بنیادی فرق، ان معاشروں کے مابین مادی ترقی کے فرق پر منحصر نہیں ہے، بلکہ ان تصورات اور نظریات پر منحصر ہے جو ان معاشروں میں لوگ اختیار کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ، کسی بھی بیانیوں پر مبنی بیانیے کے اختیار کردہ ظاہری اسالیب اور ذرائع میں تو وقت کے ساتھ تبدیلی آسکتی ہے، لیکن خیالات، تصورات اور اس کے نتیجے میں، نظام اور قوانین ایک آزادانہ طور پر بدستور جاری رہتے ہیں۔

مزید یہ کہ اگر مابعد جدید دور کو ایک نئے دور کی حیثیت سے دیکھا جائے تو، یہ مفروضہ، کہ تکنیکی ترقی بیانیوں پر مبنی بیانیے کی طرف شکوک وشبہات کا باعث بنتی ہے، عالمی سطح پر اٹھنے والی اس پکار سے غلط ثابت ہو جاتا ہے جو کہ نہ صرف مسلم ممالک میں، بلکہ مادی طور پر انتہائی ترقی یافتہ شمالی امریکہ اور مغربی یورپی ممالک میں بھی، بڑھتے ہوئے مسلمانوں کی تعداد نے اپنالی ہے یعنی کہ ایک، واحد، نظریاتی اسلامی ریاست کے قیام کی پکار۔اسی طرح، انتہائی دائیں بازو کی قدامت پسند عیسائی تحریکوں کا اُٹھنا، ٹرمپ، اوربن اور جانسن کی الیکشن کامیابیاں، اور بریگزٹ Brexit کا ووٹ لیوٹارڈ کے اس مفروضہ کی ساکھ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

جہاں تک مابعد جدیدیت کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ عالمگیری حقائق کا کوئی وجود نہیں، اس طرح کے حقائق کا علم تعصب پر مبنی ہے، اور یہ کہ ایسے حقائق محض پیش کرنے والے کا نقطہ نظر ہیں، تخلیق کردہ اور مخصوص

سیاق وسباق کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں، تو یہ دعویٰ منطقی، سائنسی اور عقلی اعتبار سے متصادم ہے۔ یہ دعویٰ پیش کرتے ہوئے کہ لوگوں کا بیانیوں پر مبنی بیانیوں پر سے اعتماد اس لئے بھی اٹھ رہا ہے کیونکہ یہ بیانیوں پر مبنی بیانیے اقلیتوں کو اہمیت نہیں دیتے، لیوٹارڈ ضمنی طور پر انصاف کے متعلق لوگوں میں ایک عالمگیری اعتقاد کے تصور کو قبول کرتا ہے۔ یہ واضح ہے کہ متعدد عالمگیری حقائق وجود رکھتے ہیں، اس سے قطع نظر کہ ان کی وضاحت کے لئے کسی قسم کی زبان کا استعمال کیا جارہا ہے۔ ایک عالمگیری حقیقت یہ ہے کہ صرف حیاتیاتی (Biological) خواتین ہی بچے کو پیدائش دینے کے قابل ہیں۔ اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ، زبان کا حقیقت کو صرف دو ممکنہ صورتوں کے باہمی تضاد میں پیش کرنا- حیاتیاتی خواتین بمقابلہ حیاتیاتی مرد، یا مشرق بمقابلہ مغرب- کسی بھی طرح ان دونوں دعووں کی صداقت کو کم نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر، اگر ہم تمام سائنسی علم کو نظرانداز کرتے ہوئے، مابعد جدیدیت کے اس مفروضے کو اپنا بھی لیں کہ دونوں انتہائی حیاتیاتی حقائق کے مابین لاتعداد اجناس ہیں، یعنی متنوع انسانی اجناس کا ایک وسیع سمندر، تو بھی یہ دونوں انتہاؤں کے وجود کی نفی کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے، دن بمقابلہ رات کی مثال پر غور کریں: حالانکہ یہ سچ ہے کہ دن آہستہ آہستہ رات میں ضم ہو جاتا ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ رات کا دن میں منتقلی کا عین وقت غیر معین ہے، یہ اس حقیقت کی نفی نہیں کرتا ہے کہ 'دن' 'رات' سے فرق اور متضاد ہے۔ مدعی کے نقطہ نظر سے پیش کیے گئے دعووں کا استعمال کرتے ہوئے دن اور رات کے درمیان فرق کو اس کے اجزاء میں تقسیم کرنا، یا دن اور رات کو محض معاشرتی تعمیرات کے طور پر ظاہر کرکے ان کے فرق کو مسترد کرنا منطقی غلط فہمی اور غیر معقولیت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مزید یہ کہ یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ صرف دو ممکنہ صورتوں کی طرز پر سوچنے سے جو تقسیم پیدا ہوتی ہے اس کے نتیجے میں لازمی طور پر ایک منظم درجات کی قدر وجود میں آجاتی ہے۔ ایک انتہا کو تسلیم کرلینا، جیسے کہ 'دن'، کا مطلب یہ نہیں کہ دوسری انتہا کو کمتر پیش کیا جارہا ہے، جیسا کہ، 'رات'۔ اسی طرح، 'امن' کے تصور کو پہچاننے کا یہ مطلب نہیں کہ جنگ بذات خود اب غیر اخلاقی تصور بن گیا ہے۔ بلکہ اقدار تو لوگوں کے ان افکار سے پھوٹتے ہیں جو وہ

رکھتے ہیں، اور جیسے بعض اوقات میں امن ضروری ہوتا ہے وہیں جنگ کی بھی دوسرے اوقات میں ضرورت ہوتی ہے۔ ایک اسلامی ریاست جہاں ایک دور میں پر امن تجارتی تعلقات استوار کر سکتی ہے تو وہیں دونوں تصورات کی یکساں اہمیت سمجھتے ہوئے دوسرے دور میں جنگ کا اعلان بھی کر سکتی ہے۔

بنیادی مسئلہ، جس کی وجہ سے مابعد جدیدیت ہر طرح کے معروضی علم کو مسترد کرتی ہے، حقیقت اور حقیقت پر فیصلہ کے درمیان فرق نہ کرنے کی ناکامی ہے۔ کسی بھی صورتحال کی حقیقت لوگوں کے مابین اختلاف رائے نہیں پیدا کرتی، خاص طور پر اگر حقیقت کا تعلق حواس سے ہو کیونکہ مختلف لوگ جو اس صورتحال یا شے کا حواس کے ذریعے تعین کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ اس صورتحال یا شے کی معروضی حقیقت کا علم حاصل کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ تاہم، حقیقت کے بارے میں فیصلے لوگوں کے نقطہ نظر کے مطابق مختلف ہوں گے۔ جہاں کسی خاص نقطہ نظر سے حالات یا اشیاء کو دیکھنا ان پر فیصلہ دینے کے متعلق ہے، وہاں حقائق کو دیکھنا، جس حال میں وہ ہیں، اس کا تعلق حواس اور فہم سے ہے۔ لہٰذا، کسی حقیقت پر انفرادی، ثقافتی یا نظریاتی نقطہ نظر کو برقرار رکھنے کے باوجود افراد کا اس حقیقت کے متعلق معروضی علم تک پہنچنا ممکن ہے۔

ڈیریڈا کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ حقیقت کے متعلق فیصلوں یا حقیقت کی تشریحات کی درجہ بندی کرنے سے ایک تصور تو ممتاز اور اہم سمجھا جاتا ہے لیکن باقی تمام تصورات کی اہمیت کو نظرانداز کر کے انہیں کم تر کر دیا جاتا ہے۔ مابعد جدید بحث یہ ہے کہ چونکہ حقیقت کی لاتعداد تشریحات کی جاسکتی ہیں اس لئے جابر گروہ ان تشریحات کی درجہ بندی ہی اس انداز میں کرتے ہیں کہ صرف ان بیانیوں کو منتخب کریں جو مزید ظلم و جبر میں ان کی مدد کر سکیں اور باقی تمام تشریحات کو کم تر کر دیتے ہیں۔ اس دعوے میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ چاہے تشریحات کی ایک لامحدود تعداد موجود ہو لیکن اس کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ تشریحات کی اتنی ہی لامحدود تعداد درست اور جواز بخش بھی ہو۔ پس دیگر وجوہات کے علاوہ، حقیقت کی تشریحات اس وجہ سے بھی محدود ہوتی ہیں کہ آیا وہ مخصوص مدت میں مطلوبہ نتائج کو یقینی بنا سکتے ہیں اور کیا وہ طویل عرصوں پر ایک ایسے پس منظر میں ان نتائج کا تکرار برقرار رکھ سکتے ہیں جس کا تعین

ایک فرد، اس کا خاندان، کمیونٹی اور معاشرہ کرتا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے، جو کہ فوکالٹ کی سب سے بڑی غلطی ہے، کہ چونکہ مابعد جدید بیانیہ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کا ہے، اس لئے یہ ہر انسانی عمل کو طاقت کے حصول تک محدود کر دیتا ہے۔ یہ غلطی ان اقدار کی نامکمل سمجھ سے پیدا ہوئی ہے جو انسانی رویوں کو متحرک کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ لوگ اقتدار کا حصول چاہتے ہیں، لیکن یہ بھی اتنا ہی صحیح ہے کہ لوگ اخلاقی، روحانی یا انسانی اقدار کے حصول میں بھی اقدامات اٹھاتے ہیں۔ لہذا، بیانیات اور تشریحات کی درجہ بندی کے متعلق اور اس کے نتیجے میں افکار کو کمتر کرنے کے متعلق مابعد جدیدیت کی یہ سوچ غلط ہے، کہ یہ صرف طاقت کے حصول کو مستحکم کرنے کا کام دیتی ہے۔

مزید برآں، ادھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ مابعد جدیدیت جب ہر چیز کی درجہ بندی طاقت کے ایک ایسے کھیل میں کرتی ہے جو رنگ، نسل، طبقے، صنف اور جنسی رجحان پر کھیلا جاتا ہے تو پھر ایسا کرنے میں یہ خود کن چیزوں کو کمتر اور نظرانداز کرتا ہے۔ یہ واضح ہے کہ مابعد جدید بیانیہ دیگر کئی تصورات کے ساتھ ساتھ اہلیت، حقیقی تنوّع، معقول بحث ومباحثہ، باہمی تعاون، اور اخلاقی، روحانی وانسانی قدروں کو بے معنی قرار دے دیتی ہے اور انہیں کمتر قرار دیتی ہے۔

اسی طرح، یہ دعویٰ بھی، کہ طاقت خالصتاً نقطہ نظر پر مبنی ہے اور زبان اور تصورات پر مبنی ہوتی ہے، اور یہ کہ بااختیار لوگ زبان کو بطور آلہ استعمال کرتے ہوئے حقائق کو تشکیل دیتے ہیں، مکمل طور پر عقلی جانچ کے سامنے جمتا نہیں۔ اس دعوے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان پر یورپی استعمار کا قائم ہونا، یا بحرِ اوقیانوس کے ذریعے غلاموں کی تجارت کو محض زبان کے استعمال کے ذریعہ انجام دیا گیا تھا۔ ان ادوار کا محض سطحی جائزہ لینے سے ہی یہ پتہ چلتا ہے کہ ایسا دعویٰ کرنا استعماری طاقت کے تعلقات کی نوعیت کی ایک نامکمل سمجھ کی وجہ سے ہے جو کہ بنیادی طور پر فوجی، نظریاتی، سیاسی، معاشی طاقت کے معیار میں فرق پر مبنی تھے۔ یہ سمجھنا بھی جہالت ہوگا کہ محض انگریزوں کے غالب بیانیے کو اجزائے ترکیبی میں تقسیم کرنے سے اور ان کے 'مشرقی-مغربی'(Oriental-Occident) کی دو ممکنہ صورتوں والی اصطلاحات کے متبادل کوئی نئی کثیر ممکنہ صورتوں والی اصطلاح کا تعارف کروا کر ان کو ہندوستان سے

نکالا جاسکتا تھا۔ ادبی اور فلسفیانہ کاموں کے حلقہ سے باہر اجزائے ترکیبی میں تقسیم کی انہی کمزوریوں کی بنا پر سیاسی میدان میں 'ثقافتی علوم' کے بنیادی زاویوں اور فوکالٹ سے متاثر 'نئی تاریخ سازی' اس پر سبقت لے گئے (جو کہ تمام اعمال کو محض طاقت کے تعلقات تک محدود کرنے کی بنا پر غلط ہے)۔ بعد میں، ڈیریڈا نے انصاف، اخلاقیات اور سیاست کے امور پر وسیع پیمانے پر لکھ کر اس کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کی۔ یہاں اگر ہم فرض کر بھی لیں کہ یہ محض الفاظ کا آزادانہ گھماؤ پھیراؤ نہیں ہے (جو کہ ڈیریڈا کے نزدیک زبان کا استعمال ہونا چاہئے)، تب بھی یہ بات واضح ہے کہ 'سیاست' سے متعلق یہ تجریدی مفروضے 'عملی' سیاست سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

مزید، ڈیریڈا کا یہ دعویٰ کہ حقائق سے متعلق لسانی اعتبار سے کیے جانے والے تمام دعوے ثانوی اور ماخوذ ہوتے ہیں، منطقی طور پر خود متضاد ہے۔ حقیقت اور حقیقت کی نمائندگی کے مابین تعلقات کا ایک متبادل نظریہ پیش کرنے کی کوشش میں، ڈیریڈا، کم از کم ضمنی طور پر، یہ استدلال کرتا ہے کہ اس کا نقطہ نظر چیزوں سے اسی طرح مطابقت رکھتا ہے جیسا کہ وہ حقیقت میں واقعتاً موجود ہیں اور اس کے برعکس دوسرے ہم عصر تصورات حقیقت کی اس طرح نمائندگی نہیں کر سکتے۔ اس طرح ڈیریڈا، جس کا فلسفہ مغربی مابعد طبعیات کی آخری باقیات کو آشکار کرنے، مسخ کرنے اور اسے ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کو بھی در حقیقت اسی کا عملی پیروکار سمجھا جاسکتا ہے۔

مابعد جدیدیت کا ایک بھیانک چہرا یہ بھی ہے کہ جب لامحدود شکوک وشبہات کو معمول سمجھا جائے تو یہ ممکن ہے کہ یہ ان شدید اور ناقابل برداشت تکالیف کی حقیقت کو غیر اہم سمجھ کر نظرانداز کر دیا جائے جو کہ قدرتی آفات یا جابرانہ، غاصب حکومتوں کے نتیجے میں انسانیت پر ڈھائی گئی ہیں۔ سمندری و زمینی طوفانوں اور زلزلوں کے ذریعہ ہونے والی تباہیوں کی حقیقت بلاشبہ ناقابل تردید ہے، اور اسی طرح نازی حراستی کیمپوں، سوویت جیل کیمپوں اور گوانتاناموبے جیل کی ہولناکیاں ناقابل تردید ہیں۔ اس پہلو سے، درد، شاید سیاسی میدان کے سب سے بنیادی معروضی حقائق میں سے ایک ہے۔

اگرچہ مابعد جدیدیت حقائق کی مکمل عدم موجودگی پر اصرار کرتی ہے، لیکن یہ ایک تجریدی مفروضہ یعنی Theoretical Abstraction سے زیادہ کچھ نہیں ہے کیوں کہ کسی بھی فرد کے لئے زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرف مستقل طور پر نسبتی رویہ (stance of relativism) اپنانا ناممکن ہے۔ بہر حال، ان کے مادی اجسام متعدد نا قابل تردید حقائق کی حدود کو قبول کرتے ہیں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ حیاتیاتی حقائق کا انکار کسی بھی صورت میں اس بنیادی ترین حیاتیاتی سچائی سے تجاوز کو ممکن نہیں بناتا کہ ﴿**كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ ٱلْمَوْتِ**﴾ **"ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"** (العنکبوت:57)۔ اسی طرح، یہ تجویز کرنے سے کہ فطری قوانین کے متعلق تجرباتی مشاہدات کی بنیاد پر کی جانے والی نظریاتی وضاحتیں محض نسبتی نقطہ نظر ہیں، ان سے شبہ کرنے والا ان میں سے بنیادی ترین قوانین سے تجاوز نہیں کر سکتا، مثال کے طور پر، زمین کی کششِ ثقل۔

مزید یہ کہ مابعد جدیدیت کا یہ استدلال، کہ عقل اور منطق محض ظلم و جبر کا ایک آلہ ہے، منافقانہ ہے، کیونکہ اسکے مفکرین اپنے مؤقف کی حمایت میں دلائل دینے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، اور اگر ہر قسم کا بحث و مباحثہ دراصل ظلم و جبر کا ایک نہ ختم ہونے والا کھیل ہی ہے تو پھر، مابعد جدیدیت خود بھی ظلم و جبر کا ایک آلہ بن جاتی ہے۔

اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اگر عقل کو محض ظلم وزیادتی کے آلے کے طور پر سمجھا جاتا ہے، تو پھر دو افراد یا گروہ جن میں کسی قسم کا اختلاف ہو جائے، ان کو اپنے اختلافات کے حل کے لئے کوئی مشترکہ بنیاد نہیں ملے گی۔ آخر کار کوئی معروضی حقیقت تو موجود ہی نہیں جس کے متعلق وہ صحیح یا غلط ہو بھی سکیں۔ لیوٹارڈ نے "اتفاق رائے" کو "دہشت گردی" سے مناسبت دے کر اس نکتہ کو اجاگر کیا۔ لیوٹارڈ کے نزدیک یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ جبر کا استعمال کئے بغیر صرف عقل کی بنیاد پر معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ نیطشے کے الفاظ میں، "جہاں کوئی حقیقت نہیں ہوتی، وہاں صرف طاقت ہوتی ہے"۔ یہ انتہائی اہم نکتہ ہے اور مابعد جدیدیت کے طاقت کے تعلقات کے ساتھ بے جا جنون کے متعلق ایک اہم بصیرت پر روشنی ڈالتا ہے۔ تمام تر انسانی محرکات کو طاقت کے حصول تک محدود کرنے میں دراصل مابعد جدیدیت اپنے لئے طاقت کے استعمال کا جواز پیدا کرتی ہے۔ ایک صحیح معنوں میں مابعد جدید معاشرہ متعدد مسابقتی

، بیانیوں میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا، اور چونکہ حقیقت پر متفق ہونے کا کوئی طریقہ تو ہے نہیں، لہذا، ظاہر یہی ہوتا ہے کہ معاشرے میں کسی بھی قسم کے توازن کو قائم کرنے کے لئے واحد راستہ طاقت کا سفاکانہ مظاہرہ ہی ہو گا۔ یہ بات بھی عیاں ہے کہ مابعد جدیدیت بہت حد تک فریڈرک ، نیٹشی ، مارٹن ہائڈِ گر، ماریس بلانکوٹ، اور پال ڈی مین ، کے افکار سے متاثر ہوا ہے اور یہ سب مفکرین یا تو فاشزم میں ایک دلکشی محسوس کرتے تھے یا اس سے متاثر تھے۔

مابعد جدیدیت کا سیاسی اظہار، بطور شناختی سیاست (identity politics)، شدید گمراہ کن، غلط اور خود متضاد ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، یہ فکر بیانیوں پر مبنی بنانیے کو ختم کرنے اور ان کے متبادل مقامی ذاتی نقطہ نظر پر مبنی بیانیوں کے استعمال کی وجہ سے ابھرتی ہے، پس سیاسی پوزیشن ان سماجی گروہوں کے مفادات اور نقطہ نظر کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں جن کے ساتھ لوگ اپنی شناخت کرتے ہیں یعنی نسل، جنس، شناخت، تہذیب، قومیت، جنسی رجحان، معذوری، مذہب، ثقافت، زبان اور بولی۔ یہ 20ویں صدی میں شہری حقوق کی تحریک کے دوران منظر عام پر آئے اور خاص طور پر 1980 کی دہائی میں ان کو تقویت حاصل ہوئی۔

شناختی سیاست کا وہ وصف جو اس کی تعریف کرتا ہے، وہ اس کا علم حاصل کرنے کے غیر معروضی طریقے (subjectivist, standpoint epistemology) کو عقلی یا سائنسی علم حاصل کرنے کے طریقوں پر ترجیح دینا ہے کیونکہ عقل اور سائنس تو محض نہ ختم ہونے والے ظلم و ستم کے ارتکاب میں استعمال ہونے والے آلہ کار ہیں۔ یہ اس مارکسسٹ فریم ورک کو بھی واضح کرتا ہے جس کے تحت مابعد جدیدیت کام کرتی ہے۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ حقیقت کا دماغ پر محض ایک عکس ہی جھلکتا ہے تو فطری طور پر یہی ہو گا کہ پیدا ہونے والے تمام مسائل سے نمٹنے کے لئے صرف ایک ذاتی نکتہ نظر ہی اپنانا چاہیے۔ تاہم جس طرح مارکس نے معاشرے کو بورژوازی (bourgeoisie) اور پرولتاری (proletariat) کے مابین تقسیم کیا ہے، اسی طرح مابعد جدیدیت نے زندگی کے تجربات کی بنیاد پر معاشرے کو کئی مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔

معاشرے کی ایسی تقسیم بہت گھمبیر مسئلہ ہے کیونکہ یہ کسی بھی مسئلے پر وسیع تر یکجہتی حاصل کرنے کو ناممکن بناتی ہے۔ مثال کے طور پر، مسلم ممالک میں جن اہم معاملات سے نمٹنا ضروری ہے وہ موجودہ حکومتوں کا خاتمہ اور اسلامی خلافت کی بحالی ہے۔ تاہم، اگر معاشرے متعدد گروہوں میں تقسیم ہوں، ہر ایک عملی طور پر دوسرے کے خلاف رخنہ ڈالے تو، خلافت کے پیغام کے لئے وسیع بنیاد پر عوامی حمایت حاصل کرنا بہت مشکل ہوگا اور اس کا نتیجہ سیاسی بے عملی کی صورت میں نکلے گا۔

مزید یہ کہ، ایک ذاتی نکتہ نظریہ دعویٰ کرتا ہے کہ صرف ایک خاص شناخت سے تعلق رکھنے والے افراد، جو گروہ کا حصہ ہیں، اپنی زندگی کے تجربات کی بنا پر، اپنے معاملات کے بارے میں بات کرنے کے مجاز ہیں، اور یہ کہ دوسرے، جو گروہ سے باہر ہیں، ان کے مسائل کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ یہ نکتہ نظر غلط اور فطری طور پر متضاد ہے۔ اگر گروہ سے باہر کے لوگ، جیسے کہ مرد، اٹھیں اور خواتین کے مسائل پر بات کریں تو ان پر خواتین کی آزادی ضبط کر لینے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ دوسری طرف، اگر مرد خواتین کے معاملات کو نظر انداز کرتے ہیں تو ان پر خواتین کو کم تر کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اس طرح کی شناختی سیاست شدید قسم کی انا پرستی پر مبنی ہوتی ہے اور مختلف شناختوں کو ایک دوسرے سے مزید کاٹنے اور دور کرنے کا کردار ادا کرتی ہے۔

شناختی سیاست کے فریم ورک کے اندر سب سے گہرا تضاد، نظریہ لزومت (essentionalism) اور نظریہ عدم لزومت (non-essentialism) کا مسئلہ ہے۔ مابعد جدیدیت کے مطابق ظالم اور مظلوم کے مابین تعلقات ہی دراصل مختلف شناختیں بننے کی وجہ ہیں، جیسے سفید فام بمقابلہ سیاہ فام، متفاوت جنس پرست بمقابلہ ہم جنس پرست، مرد بمقابلہ خواتین، اور اس وجہ سے یہ شناختیں دراصل لازم دقیانوسی معاشرتی تعمیرات ہیں۔ تاہم، شناخت پر مبنی سیاسی یا معاشرتی گروہ تشکیل دینے میں، دو ممکنہ صورتوں کے تضاد کو واضح کرتے ہوئے تاکہ ظلم ختم ہو سکے، مابعد جدیدیت خود ہی نظریہ لزومت کا شکار ہو جاتی ہے۔ لہذا، شناختی سیاست اصل میں خود وہی تصور ہے جس کو یہ ختم کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مقطعیت (intersectionality) کی تحریک کو شناختی سیاست میں اس خامی کا

احساس ہو گیا ہے اور اس کے نتیجے میں یہ ہر فرد کے لئے متعدد کئی شناختیں تجویز کرتی ہے۔ تاہم، ایک عدم لزومت کا نکتہ نظر اپنانا کسی بھی طرح معنی خیز سیاست کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ لہذا مقطعیت (intersectionality) کی تحریک نے جو حاصل کیا وہ محض مختلف گروہوں کے درمیان ایک آناپرستانہ مقابلہ ہے کہ کون زیادہ مظلوم ہے۔ اور جو جتنا مظلوم ہے وہ اتنا ہی بہتر بھی ہے یعنی سیاہ فام مرد کے مقابلے میں سیاہ فام عورت زیادہ مظلوم ہے کیونکہ وہ رنگ اور جنس دونوں میں مظلوم گروہ میں شامل ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ زیادہ بہتر بھی ہے۔

سب کچھ کو ظالم بمقابلہ مظلوم فریم ورک میں محدود کر دینے کا مزید ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو مابعد جدیدیت کے بیانیوں پر مبنی بیانیے کو تسلیم نہیں کرتے ان پر فورا 'ظالم' کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ 'ظالم' کا لیبل لگ جائے تو پھر سمجھا جاتا ہے کہ اب ان کی کوئی بھی بات سننے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی تمام باتیں ظلم ہی کی حمایت میں ہونگی۔ اس میں کوئی حیران کن بات نہیں کہ اس طرح کے فریم ورک کے نتیجے میں جب مسلسل گروہوں کی مختلف شناختوں کو اجاگر کیا جائے گا اور 'ظالم' لوگوں کو مسلسل ٹارگٹ کیا جائے گا تو پھر وہ بھی شناختی سیاست اپنا لیں گے۔ مثال کے طور پر، سیاسی میدان کے تناظر میں سفید فام شناختی سیاست کا تقویت حاصل کرنا یا پھر نسلی علیحدگی پسندی کے جواز کے طور پر یورپین نیو رائٹ تحریک کا اختلاف کے حق کا مطالبہ۔

پس، یہ واضح ہے کہ مابعد جدیدیت کا حقائق، معروضی علم اور عقل کو مسترد کرنا محض ایک تخیلاتی اور فرضی چیز ہی ہے اور یہ سیاسی عمل کے لئے موزوں نہیں ہے۔ آخر کار، اگر فوکالٹ کے مطابق، کہ آزادی کا تصور بھی حکومتی طاقتوں کا پچھایا گیا جال ہے جو کہ موضوع کو طاقت کے علم کے چنگل میں مزید پھنسا دیتی ہے تو پھر اس قسم کی طاقت جو ہر طرف موجود ہے، اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کا کوئی فائدہ نہیں۔

عقل کو مسترد کرنا، مابعد جدیدیت کی اس سمجھ کی وجہ سے ہے کہ روشن خیال دور ہی دراصل انسانی مباحثوں میں عقل کو متعارف کرانے کا ذمہ دار تھا۔ تاہم، روشن خیال دور کی بنیادی غلطی عقل کو متعارف کرانا نہیں ہے، بلکہ ان

معاملات میں اس کا غلط استعمال ہے جو ویسے ہی عقل کے دائرے سے باہر ہیں۔بنیادی غلطی کو پہچاننے میں اس ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ خود ہی جدیدیت کے اس مقبول بیانیے سے گمراہ ہوگئے کہ روشن خیال دور نے لوگوں کو ماضی کی دقیانوسی روایات اور توہم پرستی سے آزاد کرتے ہوئے ایک نئے عہد کا آغاز کیا تھا۔ ذہن میں روشن خیال دور کی اس تعریف کے ساتھ، یہ فطری بات تھی کہ مابعد جدید مفکرین عقل کے استعمال پر تنقید کریں بلکہ اس حد تک تنقید کریں کہ عقل کے استعمال کو دور جدید کے تمام مسائل کا سبب سمجھنے لگے۔تاہم، یہ ایک انتہائی انا پرستانہ اور مغربی دعویٰ ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ روشن خیال دور سے قبل کی تمام ثقافتیں محض غیر منطقی عقائد، خرافات اور توہم پرستی پر مبنی تھیں۔ یہ انسانی تاریخ کے متعلق ایک انتہائی غلط فیصلہ ہے کیونکہ انسان ہمیشہ ایک عاقل مخلوق رہا ہے۔

اصل غلطی، یعنی عقل کا ان معاملات میں غلط استعمال جو دراصل اس کے دائرے سے باہر ہیں، روشن خیال دور کے مفکرین کے ان اعلانیوں میں ظاہر ہوتا ہے کہ حاکمیت لوگوں کی ہے اور انہیں کسی دوسرے کی خود مختاری کے تابع ہونے کی اجازت نہیں ہے۔یہی جدید مغربی تہذیب کا سنگ بنیاد ہے اور اس کے تمام مسائل کی اصل جڑ ہے کیونکہ لوگ خود اپنے حاکم ہونے کے اہل نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ حاکمیتِ اعلیٰ اسی کے ساتھ رہنی چاہیئے جس نے لوگوں کو پیدا کیا کیونکہ صرف وہ ان کی تخلیق کا مقصد جانتا ہے، اور صرف وہ اکیلا ہی انسانی فطرت کا کامل علم رکھتا ہے۔ چونکہ انسان محدود ہے، اس لیے اپنے وجود کے مقصد کی نامکمل سمجھ کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی فطرت کے متعلق سمجھ بھی نامکمل ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو عقلی انداز میں یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ کس نے انہیں پیدا کیا، اور پھر انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں اس کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے اپنے خالق کی حاکمیت کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ لہذا، ایک خالق کے وجود کا تعین کرنے کے لئے، اور پھر ان احکامات کو سمجھنے کے لئے جو ہمیں اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے دیے ہیں، عقل و دانش کو بروئے کار لانا چاہیئے۔ پس مابعد جدید مفکرین، روشن خیال دور کی اصل اقدار کو سمجھنے میں ہی ناکام رہے، کجا یہ کہ ان اقدار سے پیدا ہونے والے مسائل کا مؤثر حل پیش کر سکیں۔

جب مابعد جدیدیت کا گہرائی سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ پر فریب کیوں ہے اور اسے غیر قطعی زبان کی حاجت کیوں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی شخص جو حق کو جانتا ہو وہ اس کو اس حد تک واضح انداز میں بیان کرنے کی کوشش کرے گا جتنا ممکن ہو سکے۔ مبہم الفاظ کے ذریعے خیالات کو غیر واضح کرنا ایک علمی خیانت ہے۔ تاہم، مابعد جدید مفکرین نے دانستہ طور پر اپنی عبارتوں میں نا قابل فہم زبان استعمال کی ہے جو کسی بھی ایسے شخص کو بمشکل ہی سمجھ آسکتی ہے جو کہ ان کے فکری ادب سے مکمل طور پر آشنا نہ ہو۔ اس سے دو بڑے مقاصد حاصل ہوتے ہیں: پہلا، اس قسم کی ایک نجی زبان بظاہر ان مفکرین کو ایک فرضی قسم کا وقار عطا کرتی ہے۔ دوسرا، یہ مابعد جدیدیت کے لٹریچر کو بیرونی جانچ پڑتال سے بچانے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ لہذا، مابعد جدید مفکرین اس طرح کی زبان کو استعمال کرتے ہوئے اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے اکثر نظریات یا تو غیر عقلی، غیر منطقی، غیر سائنسی ہوتے ہیں اور اگر کبھی درست ہوں بھی تو محض بنیادی سمجھ بوجھ سے زیادہ کچھ نہیں۔

اسلامی معروضی نقطہ نظر سے دیکھنے پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مابعد جدیدیت ایک ناقص اور غلط تصور ہے۔ اسلام ایک مکمل آئیڈیالوجی (یا بیانیوں پر مبنی بیانیہ) ہے، اور ہر دور اور زمانے کے لئے اسلام کا موزوں ہونا ہر مسلمان کے عقیدہ کا حصہ ہے۔ چونکہ اسلام تمام انسانوں کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مقرر کردہ حتمی دین ہے، لہٰذا آخری پیغمبر محمد ﷺ کے بعد کے کسی بھی زمانے میں اسلام کی حقانیت کے انکار کا مطلب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بطور قانون ساز انکار ہے۔ کسی بھی وجہ سے ایسا انکار ایک شخص کو اسلام کے دائرے سے ہی خارج کر دیتا ہے کیونکہ نہ صرف یہ اسلام کی روح کی خلاف ورزی ہے، جو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہر لحاظ سے عبادت کرنا ہے، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بھی ایک قید لگا دینے کے مترادف ہے جبکہ وہ ہر دور اور زمانے کے لئے واحد قانون ساز ہے۔

اسلام تسلیم کرتا ہے کہ عالمگیر حقائق موجود ہیں، اور ہم ان سچائیوں کے بارے میں معروضی (objective) علم حاصل کرنے کے اہل ہیں۔ اسلام حق کے پیغام کو پھیلانے کے ایک ذریعہ کے طور پر عقلی مباحثوں کو بھی قبول کرتا ہے۔ اس کی عکاسی اس سے ہوتی ہے کہ اسلام نے اپنے عقیدہ کی عقلی قبولیت کو ہی اسلام میں

داخل ہونے کی شرط بنا دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تمام انبیاء نے عقلی شواہد کی بنیاد پر ایک ہی خالق کے وجود کو تسلیم کرنے کی دعوت دی، اور دوسروں کو حق کی طرف بلانے کے لئے انہی عقلی شواہد کا استعمال کیا۔ اس کا ثبوت ابراہیمؑ کی کہانی میں ملتا ہے جب انہوں نے ایک ستارہ دیکھا اور اسے اپنے رب کے طور پر لیا، لیکن جب ستارہ غائب ہو گیا تو انہیں احساس ہوا کہ ستارہ ان کا رب نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد انہوں نے چاند دیکھا، اور اسے اپنے رب کے طور پر لیا، لیکن جب چاند غائب ہوا تو انہیں احساس ہوا کہ چاند اُن کا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر انہوں نے سورج کو اپنے رب کے طور پر لیا، لیکن جب سورج غائب ہو گیا تو انہیں احساس ہوا کہ سورج بھی اُن کا رب نہیں ہو سکتا۔ اس سے انہیں یہ سمجھ آئی کہ ستارہ، چاند اور سورج محدود اور محتاج ہیں جبکہ حقیقی خالق نہ تو محدود ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی کا محتاج۔ تب انہوں نے پہچانا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ستارے، چاند، سورج اور کائنات کے اندر موجود ہر چیز کا خالق ہے، اور یہ کہ وہ ابدی اور غیر محتاج ہے۔ قرآن مجید بھی خالق کے وجود کے تعین کے لئے ایسے ہی عقلی نقطہ نظر کو علم حاصل کرنے کے لئے (rational epistemology) استعمال کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ﴾ **"بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں" (آلِ عمران: 190)۔** ابراہیمؑ نے دوسروں کو بھی دعوتِ حق دینے کے لئے عالمگیر حقائق کو استعمال کیا تا کہ مشترکہ معروضی عقلی بنیادوں کا فیصلہ ہو سکے اور ان بنیادوں پر دعوت کے پیغام کو کھڑا کیا جا سکے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِى حَآجَّ إِبْرَٰهِـۧمَ فِى رَبِّهِۦٓ أَنْ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّىَ ٱلَّذِى يُحْىِۦ وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا۠ أُحْىِۦ وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَأْتِى بِٱلشَّمْسِ مِنَ ٱلْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ ٱلْمَغْرِبِ فَبُهِتَ ٱلَّذِى كَفَرَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴾ **"کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراھیم سے اس کے رب کی بابت جھگڑا کیا اس لیے کہ اللہ نے اسے سلطنت دی تھی جب ابراھیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں کہا ابراھیم نے بے شک اللہ سورج مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ تب وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ بے انصافوں کی سیدھی راہ نہیں دکھاتا**

"(البقرۃ:258)۔ یہ اسلام کے اعلیٰ طریقہ کار کی بھی مثال ہے، کہ یہ ان لوگوں کو، جو مبہم اور فریبی زبان کے کھیل کے ذریعے حقیقت کے متعلق غلط بیانی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حقیقت سے ایک بالکل واضح، قطعی اور سادہ فہم جواب دیتا ہے۔

اسلام شناخت کی سیاست کو بھی مسترد کرتا ہے کیونکہ رنگ، نسل، زبان وغیرہ کی بنیاد پر کیے جانے والے امتیازات غلط ہیں، اور تمام مسلمان ایک ہی نظریہ سے جڑے ایک واحد امت سمجھے جاتے ہیں۔ خلافت کے اندر سیاسی جماعتیں الگ الگ 'شناخت' نہیں رکھیں گی بلکہ ایسی تمام جماعتیں صرف اور صرف اسلامی عقیدہ پر مبنی ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاسی جماعتوں کے قیام کا ثبوت ہی جماعتوں کے اہداف کی وضاحت کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ** ﴾ **"اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں**"(آلِ عمران:104)۔ لہٰذا، سیاسی جماعتوں کو لازمی طور پر نیکی کا حکم دینا چاہیئے اور برائی سے روکنا چاہیئے۔ ایسی جماعتوں کا قیام ممنوع ہے، جو ممنوعہ اعمال انجام دیتے ہوں جیسے کہ غیر اسلامی نظریات کا پھیلاؤ، اور ریاست کی طرف سے ان کی روک تھام کی جائے گی۔

مختلف ثقافتوں کی طرف ذاتی سوچ پر مبنی مابعد جدید کے نقطہ نظر کو بھی اسلام نے مسترد کیا ہے، کیونکہ اسلام ایک عالمگیر پیغام ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيۡكُمۡ جَمِيعًا ٱلَّذِي لَهُۥ مُلۡكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ** ﴾ **" کہہ دو اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے**"(الاعراف:158)۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا، **(كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً)** **"ہر نبی کو صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن مجھے تمام انسانوں کے لئے بھیجا گیا ہے**"(بخاری)۔ علم حاصل کرنے ذاتی نقطہ نظر پر مبنی طریقہ کار یہ بھی سمجھتا ہے کہ حقیقت کی

مختلف تشریحات کرنے میں ہر گروہ اپنی اپنی جگہ درست ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ اسلام حق اور باطل کے مابین واضح امتیاز رکھتا ہے،اور مسلمانوں کو لازمی یہ فرق قبول کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ جہاں اسلام ذمیوں (اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری) کو اپنے مذاہب کی پیروی کرنے کی اجازت دیتا ہے، اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام مسلمانوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ دوسرے عالمی نظریات کو دوسرے لوگوں کے لئے درست سمجھیں۔

پس مابعد جدیدیت ایک اور غلط فلسفہ ہے جو مغربی مفکرین کی طرف سے دین کو دنیا سے جدا کر دینے کے بعد پیش کیا گیا ہے۔ یہ واضح ہے کہ مابعد جدیدیت اپنے بنیادی اور مرکزی تصورات میں ہی غلط ہے۔ اس کو مکمل طور پر مسترد کر دینا چاہیئے، ان تمام تصورات سمیت جو اس کی طرز، سوچ اور فکری اساس سے نکلتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی روشن خیال دور کی اقدار بھی ترک اور مسترد کر دینی چاہیئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک ایسی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں معاشرہ خالصتاً خالق کے احکامات کے مطابق ہو نہ کہ جاہل لوگوں کے اختیار کردہ خود متضاد اور بے تکے فلسفوں کے مطابق اور پھر وہ پوری دنیا کو فکری جہالت سے نکال کر اسلام کے نور کی طرف لائے۔

حوالہ جات:

- Postmodernism (Stanford Encyclopedia of Philosophy)
- Richard Wolin, The Seduction of Unreason – The Intellectual Romance with Fascism from Nietzsche to Postmodernism, Princeton University Press (2004)
- Alex Callinicos, Against Postmodernism: A Marxist Critique
- Metanarrative - New World Encyclopedia
- Daniel Dennett: ‘I begrudge every hour I have to spend worrying about politics’ | Daniel Dennett | The Guardian
- New York Review of Books, 27 October 1983
- Judith Butler, ‘Further reflections on conversations of our time’, Diacritics, vol. 27, no. 1, Spring 1997

فہرست

امریکی صدر جو بائیڈن کے حالیہ 2023 کے سٹیٹ آف یونین خطاب میں مسلم دنیا کے اہلِ قوت کے لیے تین سبق

مصعب عمیر - پاکستان

7 فروری، 2023 کو امریکی صدر جو بائیڈن نے امریکی کانگریس کے ایک مشترکہ اجلاس میں سالانہ سٹیٹ آف دی یونین خطاب کیا۔ اس خطاب میں عالمِ اسلام کی قیادت کے لیے اہم سبق شامل ہیں۔

بے شک یہ اُمتِ مسلمہ کی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عالمی منظر نامہ کے حوالے سے رُونما ہونے والے حالات و واقعات اور جاری کردہ بیانات پر مسلسل نظر رکھے اور ان کا باریک بینی سے جائزہ لیتی رہے۔ عالمی معاملات پر گہری نظر رکھنا دینِ اسلام کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے کیونکہ ہمارا دین پوری دُنیا کے لیے ہے جس کو تمام ادیان پر غالب کرنا لازم ہے۔ جس طرح، رسول اللہ ﷺ نے تختِ فارس پر مسلمانوں کے غلبے کی بشارت دی تھی، رسول اللہ ﷺ کی ہی پیروی کرتے ہوئے، ابو بکرؓ نے اسلامی ریاست کے قائم ہونے سے بھی پہلے، اُس وقت کی سُپر پاور، روم اور فارس، کے حوالے سے ایک مؤقف اختیار کیا۔ مسلمانوں کے اہلِ قوت کی سوچ اور نظریں، دُور رَس اور عالمی سطح پر ہر طرف ہوتی ہے۔ اور یہی چشمِ بینا دنیا کو اسلام کی دعوت دینے اور اس کی راہ میں مادی رکاوٹوں کو ہٹانے کے لیے درکار جہاد کی راہ ہموار کرتی ہے۔

لہٰذا صدر جو بائیڈن کے سٹیٹ آف یونین خطاب سے ہم کیا سبق حاصل کر سکتے ہیں؟

سبق نمبر 1: امریکہ اور چین کی دشمنی

گزشتہ سال کے سالانہ سٹیٹ آف یونین خطاب کے برعکس، جس میں چین پر پُر زور تبصرہ کیا گیا تھا،اس سال کے خطاب میں چین کا تذکرہ خاصا کم رہا۔ چین کے امریکی فضائی حدود میں تیرتے فضائی غُبارے کو مار گرانے پر تبصرہ کرتے ہوئے بائیڈن نے کہا، "جیسا کہ ہم نے پچھلے ہفتے یہ واضح کر دیا ہے، کہ اگر چین ہماری خود مختاری کے لیے خطرہ بنتا ہے تو ہم اپنے ملک کی حفاظت کے لیے فوری اقدام کریں گے ،اور ہم نے ایسا ہی کیا"۔اس طرح، بائیڈن نے امریکی عوام پر اپنے مردِ آہن ہونے کی دھاک بٹھادی۔ اس نے چین کو اپنے ہی خطے میں محدود کر دینے کے اقدامات کی بھی نشاندہی کی۔ در حقیقت، امریکہ ہندوستان کو چین کے لیے ایک حریف کے طور پر تیار کر رہا ہے، جاپان کو ایک جارحانہ فوجی قوت کی راہ پر ڈال رہا ہے اور تائیوان کے چین مخالف مؤقف کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

اس تناظر میں عالمِ اسلام کے اہلِ قوت کے لیے یہ سبق ہے کہ بائیڈن، چین پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کے لیے مسلمان دُنیا سے دستبردار ہو چُکا ہے۔ حالانکہ پہلے امریکہ کی جانب سے "ڈو مور" کا مطالبہ مالی حمایت کے ساتھ آتا رہا تھا مگر اب "ڈُو مور" کے امریکی مطالبے کے اخراجات مسلمان دُنیا کے اپنے ذمہ ہوں گے۔

پاکستان کے اہلِ قوت کے لیے اس میں غور کرنے کے لیے اہم سبق یہ ہے کہ امریکہ اب بھارت کی زبردست پُشت پناہی کر رہا ہے اور بھارت کو خطے کی طاقت کے طور پر اُبھرنے کے لیے پاکستان کو دبانا بہت ضروری ہے۔اور پاکستان کی قوت کو کم کرنے کے لیے اسے افغانستان میں طالبان کے ساتھ فضول و بے سُود تنازعہ میں اُلجھائے رکھنا شامل ہے۔امریکہ کے ساتھ مسلسل اتحاد جاری رکھنا ہی پاکستان کو مزید تباہی کی جانب دھکیل رہا ہے۔

سبق نمبر2:امریکہ کا معاشی بحران

آج عالمی استعماری معاشی نظام کے خاتمہ کے وقت یا جب اس کی بربادی بالکل قریب ہے، بائیڈن معاشی محاذ پر بہتری لانے کی یقین دہانی کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ "دو سال پہلے ہماری معیشت ڈول رہی تھی"، بائیڈن نے یہ نشاندہی کی کہ معاشی بدحالی کا دور گزر چکا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کی معیشت ابھی تک ہچکولے

کھا رہی ہے۔ امریکی عوام مشکلات اور مصائب سے دوچار ہے اور معیشت کے بارے میں فکر مند ہے۔ 18 سے 24 جنوری، 2023 کے دوران ہونے والے Pew پیو ریسرچ سنٹر کے حالیہ سروے کے مطابق مجموعی طور پر، 75 فیصد امریکی عوام کا کہنا ہے کہ اس سال معیشت کا مضبوط کرنا حکومت کی اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ 60 فیصد عوام یہ سمجھتے ہیں کہ صحت کی سہولیات کو سستا کرنا ترجیح ہونی چاہیے، جبکہ 49 فیصد عوام کی رائے میں روزگار کے مواقع بڑھانا ترجیح ہونی چاہیے۔ امریکی عوام ملکی معاشی حالات کے حوالے سے مسلسل اپنی تشویش اور خیالات کا اظہار کر رہی ہے۔ صرف 21 فیصد لوگ ایسے ہیں جنہوں نے موجودہ معاشی حالت کو بہترین یا پھر اچھا گردانا ہے۔

اس صورتحال میں اُمتِ مسلمہ کے اہلِ قوت کے لیے سبق یہ ہے کہ امریکہ اس وقت خُود ایک نازک معاشی صورتحال کا شکار ہے۔ مسلم دنیا میں اپنے مفادات کے حصول کے لیے، اب وہ مزید فراخدلانہ اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اب وہ مقامی حکومتوں پر انحصار کرے گا اور اُن کو مجبور کرے گا کہ وہ ان اخراجات کا بوجھ مسلمانوں کی جیبوں پر ڈالیں۔ اور معاشی ناکامی کے نتیجے میں، مسلم دنیا کے حکمرانوں کے خلاف مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے غم و غصہ کی امریکہ ہر گز کوئی پرواہ نہ کرے گا اور ان حکومتوں کو تباہی سے بچنے کے لیے کوئی امداد فراہم نہ کرے گا۔

بے شک، مسلم دُنیا میں تبدیلی کے امکانات خاصے بڑھ چُکے ہیں۔ حکمرانوں کے خلاف عوام کا غصہ، اب ان حکمرانوں کے جابرانہ تسلط اور ظُلم و جبر کے ڈر کے مقابلے میں بڑھتا جا رہا ہے۔ ایسی صورتحال میں یہ حکومتیں پھنس چکی ہیں کہ یا تو اپنی زور زبردستی اور غرور و تکبر میں مزید بڑھ جائیں، جو عوام کے غصے میں اضافہ کرتا ہے، یا پھر اس سب سے الگ ہو جائیں، جو ایک بنیادی تبدیلی اور انقلاب کی راہ ہموار کرتا ہے۔

سبق نمبر 3: امریکہ کا سیاسی انتشار

بائیڈن نے ریپبلکن اور ڈیموکریٹ پارٹیوں کے درمیان، امریکی سیاست میں گہری دوطرفہ تقسیم کا ذکر کیا اور ساتھ یہ تاثر دیا کہ وہ ایسا نہیں سوچتا۔ اس نے بیان دیا کہ "ہمیں اکثر یہ بتایا جاتا ہے کہ ڈیموکریٹ اور ریپبلکنز اکٹھے کام

نہیں کر سکتے"، جبکہ اس نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا کہ، "ڈیموکریٹ اور ریپبلیکنز اب اکٹھے ہو گئے ہیں"۔ تاہم، بائیڈن کے اس دعٰوی کے باوجود، امریکہ کی سیاست بُری طرح دھڑے بندی میں گھِری ہوئی ہے، اور امریکہ کے فیصلوں پر اثرانداز ہو رہی ہے جن میں مسلم دنیا کے حوالے سے امریکی اقدامات و فیصلے بھی شامل ہیں۔

امریکہ کے داخلی محاذ پر، ڈیموکریٹ پارٹی کے زیرِ اقتدار ریاستوں میں تیل کی کمپنیوں کے خلاف قانون سازی ہوئی جبکہ ٹیکساس جیسی ریاستیں جہاں ریپبلیکن پارٹی کا کنٹرول ہے، وہاں گرین (شمسی توانائی وغیرہ سے متعلق) صنعتی کمپنیوں کو بلیک لسٹ کیا گیا۔ ریپبلیکن پارٹی کے زیرِ کنٹرول ریاستیں نسلی تعصب میں امیگریشن قوانین اور امیگریشن لے کر آنے والے افراد کے خلاف کلچر کو فروغ دیتے ہوئے سفید فام امریکیوں کو اکساتی رہتی ہیں، جبکہ ڈیموکریٹ پارٹی کے زیرِ کنٹرول ریاستیں، باہر سے آئے لوگوں میں موجود اپنے ووٹروں کی حوصلہ افزائی کے لیے، امیگریشن لے کر آنے والے افراد کو خوش آمدید کرنے کے کلچر کو فروغ دیتی ہیں۔ سیاسی پارٹیوں میں پایا جانے والا یہ گہرا دوطرفہ تضاد، ان کے عوامی حقوق کے قوانین میں بھی جھلکتا ہے جیسے کہ اسلحہ رکھنا اور اسقاطِ حمل۔

خارجہ امور میں اس سیاسی تقسیم نے امریکی فیصلہ سازی کو لنگڑا کر دیا ہے۔ پہلے سابق امریکی وزیر خارجہ، جان کیری، جن کا تعلق ڈیموکریٹ پارٹی سے تھا، ان کے رابطوں نے ٹرمپ انتظامیہ کے ایران پر دباؤ کے حربوں کو کمزور کیا تھا۔ اب ریپبلیکن پارٹی نے سعودی عرب کو اکسایا ہے کہ وہ تیل کی پیداوار کو کم کر دے، جس سے بائیڈن انتظامیہ کا روس پر دباؤ قدرے کم ہو گیا ہے۔

ان عوامل میں مسلم دنیا کے اہلِ قوت کے لیے سبق یہ ہے کہ امریکہ جیسی سُپر پاور اپنے دوطرفہ اختلافات کے باعث عالمی سطح پر اپنا اثر ورسوخ کھو رہی ہے۔ اس سے مسلمان دُنیا میں ایک خلا پیدا ہوتا جا رہا ہے اور مسلم دنیا میں جنم لینے والا یہ خلا، مسلمانوں کے موجودہ سیاسی طبقے سے پُر نہیں ہو سکتا۔ مسلم دنیا کے موجودہ حکمران اور سیاستدان مغربی معاشی اور سیاسی آرڈر کی اندھی تقلید اور پیروی کرنے والے ہیں۔ وہ مغربی اثر سے نکل کر ایک آزاد نظریاتی فکر و شعور

رکھنے سے قاصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان مشکل حالات میں گم، بھٹکے ہوئے اور خسارہ زدہ نظر آتے ہیں۔ امریکہ نے ان سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور وہ ہر طرف سے شدید بحرانوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مسائل کے وہ مغربی حل، جن پر یہ حکمران بھروسہ کیے ہوئے تھے، اس نے معاملات کو مزید گھمبیر بنا دیا ہے۔ انہیں کسی یکسر نئے حل کی ضرورت ہے لیکن موجودہ نظام سے جُڑے ان کے ذاتی مفادات ہی انہیں کسی حقیقی حل اور تبدیلی کی جانب دیکھنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ مسلم دنیا میں موجود اس خلا کو حقیقی تبدیلی کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا، اہلِ قوت کو ان تین اہم امور اور پیغامات پر غور و فکر کرنا چاہئے۔ یہ بات تو بہر حال واضح ہے کہ امریکہ ماضی کی نسبت خاصا کمزور ہو چکا ہے اور مسلمانوں پر مسلط جابر حکمران بھی لڑکھڑا چکے ہیں۔ مسلمانوں میں حقیقی قیادت کا ایک فقدان پایا جاتا ہے اور اب یہ خلا سیاستدانوں اور حکمرانوں کی ایک نئی نسل سے ہی پُر ہو سکتا ہے۔ اور یہ نسل ایسے قائدین اور رہنماؤں کی ہے جو اپنے آپ کو بیمار زدہ امریکہ کا تابع و فرمان نہیں سمجھتے۔ ان کے لیے ان کا دین ہی سب سے اعلیٰ و برتر ہے جس پر ہرگز کوئی اور شے سبقت نہیں لے جا سکتی۔ یہ رہنما نسل ایسے افراد کی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ سیاست کرنا، داخلی اور خارجی طور پر اسلامی شرعی احکامات کے ذریعے اُمتِ مسلمہ کے امور کی دیکھ بھال کرنے کا نام ہے۔ صرف یہی رہنما نسل پوری دُنیا کو اُن اتھاہ گہرائیوں سے باہر لا سکتی ہے جن میں امریکہ نے اپنے لالچ اور تکبر سے اِسے لا پھینکا ہے۔

اگر اہلِ قوت نے اس سبق سے یہ عبرت حاصل کر لی تو وہ اس بوسیدہ اور ناکام شدہ سیاسی طبقے سے اپنی حمایت کھینچ لیں گے تاکہ ایک نئی سیاسی فضا قائم کی جا سکے، جو نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہو گی۔ اور پھر مسلم اُمت دوبارہ اپنے شاندار عروج کی طرف لوٹے گی اور دنیا کی ان نام نہاد بڑی طاقتوں کی کمزوریاں مکمل طور پر آشکار ہو جائیں گی۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾

''اور عنقریب وہ جان لیں گے، جنہوں نے ظلم کیا کہ وہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں'' (الشعراء: 26:227)

فہرست

خلافت کے خاتمے کے 102 سال گزر جانے پر حزب التحریر کے امیر، ممتاز عالم، عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ کا خطاب

عربی سے ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور درود و سلام ہو اللہ کے رسول ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر، صحابہ رضی اللہ عنہم پر اور ان لوگوں پر جنھوں نے آپ ﷺ کی پیروی کی۔ بات کا آغاز کرتے ہیں۔۔۔

مسلم امت کو بالعموم اور خلافتِ راشدہ کی بحالی کے لیے کام کرنے والے دعوت کے حاملین کو بالخصوص۔۔۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس دن، 28 رجب 1342 ہجری بمطابق 3 مارچ 1924 عیسوی کو، یعنی 102 ہجری سال قبل، برطانیہ کی قیادت میں استعماری کفار، عرب اور ترک غداروں کے ساتھ مل کر، ریاستِ خلافت کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مصطفیٰ کمال نے استنبول میں خلافت کو ختم کرکے کھلے کفر کا ارتکاب کیا، اس کے ساتھ ہی خلیفہ کا محاصرہ کیا اور انہیں علی الصبح جِلاوطن کر دیا۔ پھر وہی ہوا، خلافت کی تباہی کے ساتھ ہی یہ دردناک مصیبت مسلم سرزمین میں آ پہنچی ۔۔۔امت پر یہ فرض تھا کہ کھلے عام کفر کا ارتکاب کرنے والے مجرم مصطفیٰ کمال کے خلاف ہتھیار اٹھاتی اور اس سے لڑتی جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْراً بَوَاحاً عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ» "اور یہ کہ ہم اقتدار والوں سے اختیار کے بارے میں جھگڑا نہیں کریں گے، جب تک کہ تم کوئی کھلا کفر نہ دیکھ لو، جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ**

کی حتمی دلیل موجود ہو" (بخاری و مسلم)۔ تاہم، امت نے اس مجرم اور اس کے مددگاروں کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کیا، کہ مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھی ہی نقصان اٹھانے والے ہوتے۔ اس کی بجائے، امت کا ردِ عمل کمزور تھا بلکہ اس قابل بھی نہیں تھا کہ اسے ردِ عمل کہا جا سکے!

اس کے بعد امت کی تاریخ تاریک ہو گئی۔ اس سے پہلے امت کی ریاست خلافت موجود تھی، جو حق و انصاف پر قائم تھی۔ اب، امت کے پاس پچاس سے زائد کٹی پھٹی ریاستیں ہیں، اور ان کے حکمرانوں کے درمیان شدید تقسیم اور اختلاف ہے۔ رجب کے مہینے میں آنے والا شام اور ترکی کا زلزلہ بھی ان کی تقسیم کو ختم نہ کر سکا، کہ وہ ایک ریاست کی حیثیت سے اپنی وحدت کو بحال کرتے۔ اس کی بجائے، وہ زلزلے سے پہلے اور بعد میں بھی پھٹے ہوئے ٹکڑوں کی مانند ہی پڑے ہیں، اور انہوں نے سبق نہیں سیکھا! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، ﴿**أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ**﴾ "**کیا یہ دیکھتے نہیں کہ یہ ہر سال، ایک یا دو بار، آزمائش میں مبتلا کیے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں**" (التوبہ، 9:126)۔

تاہم اس زلزلے کی آفت نے ظاہر کر دیا ہے کہ اسلام مسلمانوں میں گہرائی کے ساتھ پیوست ہے اور ان کے وجود کا مستقل حصہ ہے۔ جب وہ اپنے بھائیوں کو ملبے کے نیچے سے نکال رہے تھے تو مسلسل تکبیر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ان کی زبانوں پر تکبیر جاری تھی، خاص طور پر جب وہ ایک نومولود کو بچا رہے تھے، جس کی ماں نے اسے جنم دیا مگر وہ ملبے تلے ہی دم توڑ گئی۔۔۔ یا وہ شخص جو ملبے سے ڈھکا ہوا تھا، مگر اس کے ہاتھ میں تسبیح نظر آئی جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر رہا تھا۔۔۔ یا جب وہ ایک عورت کو منہدم عمارت کے نیچے سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے تو اس عورت نے باہر نکالے جانے سے پہلے اپنا سر ڈھانپنے کے لیے کپڑا مانگا تا کہ وہ نکالے جانے پر بے پردہ نظر نہ آئے۔۔۔ یا جب ملبے کے نیچے پھنسے ہوئے شخص نے اپنے نکالنے والے سے سب سے پہلے وضو کے لیے پانی مانگا، تا کہ نماز کا وقت نہ چھوٹ جائے۔۔۔ لوگ ایک شخص کو ملبے کے درمیان سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ انہوں نے دیکھا کہ وہ شخص قرآن میں سے سورۃ البقرۃ کی تلاوت کر رہا ہے۔۔۔ یا وہ لڑکی کہ جسے وہ باہر نکالنے کی کوشش کر

رہے تھے، اور وہ اپنے دکھ کا اظہار کر رہی تھی کہ وہ اُس دن نماز ادا نہیں کر سکی۔۔۔ اور اس سب کے دوران تکبیر کی صدائیں گونج رہی تھیں، اللہ اکبر۔۔۔ یہ ہیں مسلمان! اللہ تعالیٰ زلزلے میں جاں بحق ہونے والے ہر مسلمان کی مغفرت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ آخرت کے شہداء میں شامل ہوں۔ اللہ تعالیٰ زخمیوں کو شفا دے، ایسی شفا جو بیماری اور تکلیف کا نام و نشان مٹا دے۔۔۔ اللہ تعالیٰ زندہ بچ جانے والے ہر مسلمان کی مدد فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اسے اچھی زندگی عطا فرمائے کہ وہ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں گزارے۔۔۔

یہ ہیں مسلمان، جبکہ دوسری طرف مسلم سرزمین کے حکمران ان سے یکسر مختلف ہیں۔ یہ فرق اِن 102 ہجری سالوں میں، خلافت کے خاتمے کی عظیم آفت کے بعد سے رونما ہوا! پھر خلافت کے انہدام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے استعماری کفار نے مسلمانوں کو ایک اور تکلیف دہ مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے یہودیوں کو مبارک سرزمین میں ایک ریاست مہیا کی، وہ سرزمین جو نبی کریم ﷺ کے اسراء کی منزل تھی اور جہاں سے اللہ کے رسول ﷺ معراج کے لیے آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد استعماری کفار نے اس ریاست کو زندہ رکھنے کے ذرائع فراہم کیے۔ ان میں سے سب سے اہم ذریعہ اس کی حفاظت کے لیے اس کے ارد گرد کٹھ پتلی حکمرانوں کی حکومتوں کا قیام تھا۔ چنانچہ انہوں نے ہر جنگ میں یہودیوں کے ہاتھوں شکست کھائی، یہاں تک کہ انہوں نے یہودی ریاست کے ناقابل شکست ہونے کا تاثر قائم کر دیا جو اس کے برعکس ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ "اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی" (البقرة، 2:61)۔ مسلم دنیا کے یہ حکمران صرف اسی پر مطمئن نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اس مسئلے کو یہودی وجود کے خاتمے سے بدل کر، اس کے ساتھ بات چیت کرنے میں تبدیل کرنے کی تمام کوششیں کیں، اور یہودی ریاست سے یہ درخواست کی کہ وہ 1967ء میں اس کے قبضے میں چلے جانے والے علاقوں میں سے کچھ علاقے سے دستبردار ہو جائے!

یہودیوں کی اس ریاست نے فلسطین میں سب سے گھناؤنے جرائم سرانجام دیے اور اب بھی دے رہی ہے۔ 26 جنوری 2023ء کو جنین میں ہونے والا قتلِ عام اس کی گواہی دیتا ہے۔ یہودی افواج نے بھاری اسلحے سے لیس ہو کر جنین پر دھاوا بول دیا اور قتل وغارت کیا جس سے نو افراد شہید ہو گئے۔ ان کے جرائم میں لوگوں کو قتل کرنا، زخمیوں پر دیواریں گرانا اور ان پر بلڈوزر چلانا شامل ہیں۔ پھر انھوں نے نابلس میں اپنی جارحیت جاری رکھی، عقبہ جبر کیمپ پر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں وہاں کے لوگ شہید اور زخمی ہوئے۔۔۔ اور اس سب کچھ کے دوران مسلم سرزمین کے حکمرانوں نے مظلوم مسلمانوں کو بچانے کے لیے کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ اس کی بجائے، ان خائن حکمرانوں میں سب سے کم خائن وہ تھا جس نے مجرم اور مظلوم کے درمیان ثالثی کی پیشکش کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو تباہ کرے کہ کس طرح یہ حق سے منہ موڑ رہے ہیں! وہ اس سے بڑھ کر کیوں کریں گے، کیونکہ وہ تو یہودیوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے جرم کی طرف لپکتے ہیں! ذلت اور رسوائی کے اس مارچ کی قیادت مصر کے حکمرانوں کے بعد، PLO اور پھر اردن، متحدہ عرب امارات، بحرین اور مراکش کے حکمرانوں نے کی، اور اب سوڈان ان کے ساتھ اس جرم میں شامل ہونے جا رہا ہے۔ سوڈان کے صدر البرہان نے 2 فروری 2023ء کو خرطوم میں یہودی وزیر خارجہ ایلی کوہن سے ملاقات کی تاکہ تعلقات کو معمول پر لانے پر تبادلہ خیال کیا جا سکے۔ ان میں سے کسی کو بھی اس ذلت کی پرواہ نہیں ہے جو انہیں گھیر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ**﴾ "**جو لوگ جرم کرتے ہیں ان کو اللہ کے ہاں ذلّت اور عذابِ شدید ہو گا، اس لیے کہ وہ مکاریاں کرتے تھے**" (الانعام، 6:124)۔

یہ واقعی عجیب بات ہے کہ یہودی وجود کی طرف سے ہر اشتعال انگیزی یا ہر جرم کے ارتکاب کے موقع پر، اس کے رہنما، محض ایک یا دو دن پہلے، عرب حکمرانوں سے بغل گیر ہو رہے ہوتے ہیں یا ان کے دورے پر ہوتے ہیں۔ جنین پر جرم سے پہلے، نیتن یاہو اردنی حکومت کے محل میں مہمان تھا!۔۔۔ جنین پر جرم کے دوران، فلسطینی اتھارٹی یہودیوں کے ساتھ سیکورٹی تعلق کو مربوط کر رہی تھی جس کا اس نے خود اعتراف کیا۔ فلسطینی اتھارٹی نے دعویٰ کیا کہ

جنین پر جرم کے بعد وہ سیکورٹی ہم آہنگی کو ختم کردے گی۔ یہ سب کچھ تو ہے ہی، لیکن سب سے زیادہ حیران کن اور عجیب بات یہ ہے کہ جب جنین پر حملے کے بعد فلسطین کے ہیروز میں سے ایک ہیرو نے اپنی سرزمین اور اس کے عوام کا دفاع کرتے ہوئے القدس آپریشن میں سات یہودیوں کو ہلاک کردیا تو مسلم ممالک کے حکمران اس کی مذمت کے لیے دوڑ پڑے! ترکی، متحدہ عرب امارات، اردن اور مصر کی وزراتِ خارجہ نے پریس بیانات میں القدس آپریشن کی مذمت کی!!

صرف فلسطین اکیلا ہی نہیں ہے کہ جس کی پیٹھ میں ان حکمرانوں نے چُھرا گھونپا ہے، بلکہ وہ اسلامی سرزمین کے دیگر حصوں سے بھی دستبردار ہوگئے ہیں یا انہوں نے کفار کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ کشمیر کو ہندو مشرکین نے زبردستی اپنی ریاست میں شامل کرلیا، جبکہ پاکستان کے حکمران خاموش ہیں، میانمار (برما) میں روہنگیا مسلمانوں کو قتل کیا جارہا ہے، جبکہ بنگلہ دیش کے حکمران گویا سوئے ہوئے ہیں، جیسے انہوں نے کچھ دیکھا ہی نہیں ۔۔۔اس کے بعد مشرقی ترکستان ہے، جس میں چین قتل عام کررہا ہے، جبکہ مسلم سرزمین میں موجودہ ریاستیں قبروں کی خاموشی کی طرح چُپ ہیں۔ جب بھی وہ اس قتل عام کے حوالے سے بات کرتی ہیں تو کہتی ہیں کہ یہ چین کا اندرونی معاملہ ہے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِباً**﴾ "(**یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں) کہ یہ جو کہتے ہیں محض جھوٹ ہے**" (الکھف، 18:5)۔۔۔

استعماری کفار اس ذلت سے ہی مطمئن نہیں ہوئے جس سے انہوں نے امت کو دوچار کرر کھا ہے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے عقیدے کی بھی توہین کی۔ چنانچہ جب سویڈش حکام نے اجازت دی، تو 21 جنوری 2023ء بروز ہفتہ کو، سٹاک ہوم میں ترک سفارت خانے کی عمارت کے سامنے، ایک گھٹیا انتہا پسند نے مقدس قرآن کا نسخہ نذر آتش کیا۔۔۔ پھر انہوں نے انہی جرائم کے تسلسل میں ہیگ میں اور پھر کوپن ہیگن میں جمعہ 27 جنوری 2023ء کو قرآن پاک کے نسخے کو جلایا۔۔۔اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ مصر کی جامعہ الازہر نے انتہا پسندی سے نمٹنے کے لیے اپنے

الازہر آبزرور(Al-Azhar Observer)کے ذریعے سخت الفاظ میں ایک مذمتی بیان جاری کیا، جس میں دین کے تقدس کو پامال کرنے کے ان جرائم کے خلاف کھڑے ہونے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔۔۔اس میں کوئی شک نہیں کہ الازہر کے علماء جانتے ہیں کہ قرآن مجید کو جلانے کا ردِ عمل محض زبانی مذمت نہیں ہے بلکہ اللہ کی کتاب اور اس کے دین کی حمایت میں اسلامی دنیا کی افواج کو لازمی طور پر متحرک کرنا ہے۔ قرآن مجید کو جلانا مسلم امت اور اس کے عقیدے کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اس کا درست رد عمل ایک ایسی جنگ ہے جو سرکش کفار کو روکنے کے لیے ایسا خوف پیدا کردے کہ وہ ایک مثال بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ**﴾ **"اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پسِ پشت ہیں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوں، تاکہ ان کو (اس سے) عبرت ہو"**(الانفال، 8:57)۔

اے مسلمانو: مسلمانوں پر جارحیت کا مقابلہ بظاہر خوبصورت نظر آنے والے الفاظ سے نہیں کیا جاتا، نہ ایسی خالی تقریر سے جس سے نہ تو کوئی فائدہ ہو اور نہ ہی ضرورت پوری ہو۔ بلکہ جارحیت کو تلوار کی دھار سے پسپا کیا جاتا ہے، فولاد کی ایسی ضرب سے کہ دشمن کو شیطان کے وسوسے بھول جائیں۔ جب مسلمانوں کی خلافت موجود تھی تو وہ ایسا ہی جواب دیا کرتے تھے اور ان کے زمانوں کے واقعات کا رُخ اس کا گواہ ہے۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے اور کوئی بھی بصیرت اور دور اندیشی رکھنے والا اس سے انکار نہیں کر سکتا۔۔۔اس کی مثالیں مسلمانوں کی تاریخ میں موجود ہیں، جو ابن کثیر کی کتاب "بدایہ والنہایہ"، بلاذری کی کتاب "فتوح البلدان"، ابن خلدون کی کتاب "التاریخ"، اور ذھبی کی کتاب "تاریخِ اسلام" وغیرہ میں نقل ہوئی ہیں۔ اب میں ان میں سے کچھ مثالیں آپ کے سامنے نقل کرتا ہوں:

"پھر 87 ہجری کا سال آیا۔۔۔اس میں قتیبہ بن مسلم نے بیکند کا علاقہ فتح کیا، جو بخارا کے اضلاع میں سے ایک ہے۔۔۔اور لڑائی میں آدھا دن بھی نہیں گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرما دی۔۔۔ مسلمانوں پر حملہ کرنے والا ان میں سے ایک آنکھ والا ایک آدمی تھا۔ جب وہ پکڑا گیا تو اس نے کہا، "میں اپنا تاوان پانچ ہزار چینی ملبوسات دیتا ہوں، جن کی مالیت لاکھوں میں ہے"، چنانچہ سرداروں نے قتیبہ کو مشورہ دیا کہ وہ اس سے قبول کرلیں۔ قتیبہ نے

کہا: **"نہیں، اللہ کی قسم، تم پھر کبھی کسی مسلمان میں خوف پیدا نہیں کر سکو گے"۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا اور اس کی گردن ماردی گئی"۔**

"پھر 90 ہجری کا سال آیا۔۔۔اس میں سندھ کے حکمران راجہ داہر نے مسلمان عورتوں کو لے جانے والے جہاز پر حملہ کیا اور انہیں قید کر لیا۔ چنانچہ خلیفہ نے اپنے والی (گورنر) کو پیغام بھیجا کہ اس ظالم سے بدلہ لے۔ اس طرح محمد بن قاسم نے ایک فوج کی قیادت کی اور **مسلمان عورتوں کو بچایا، اس ظالم حکمران سے بدلہ لیا اور سندھ کی سرزمین کو فتح کر لیا"۔**

"پھر 223 ہجری کا سال آیا، اور بازنطینیوں Byzantine کے حکمران نے مسلمانوں کی سرزمین پر نکل کر زبطره کے لوگوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ ایک عورت نے پکارا: وَامُعتصماه "ہائے معتصم، تم کہاں ہو؟"۔ یہ پکار خلیفہ معتصم تک پہنچی تو انہوں نے جواب دیا، **"میں تمہاری خدمت میں حاضر ہوا"**۔ پس اس نے ذاتی طور پر ایک فوج کی قیادت کی اور اس مظلوم عورت کا بدلہ لیا۔۔۔اس نے پوچھا کہ بازنطینیوں کے علاقوں میں سب سے شاندار علاقہ کون سا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ عموريه، جو "انقرہ کے قریب" تھا۔ چنانچہ اس نے اسے فتح کر لیا"۔

"پھر 582 ہجری کا سال آیا۔۔۔اس میں کرک کے قابض ارناط (رینالڈ) نے مصر سے آنے والے حجاج کے ایک بڑے قافلے کا راستہ روک لیا۔ اس نے بعض حجاج کو قتل کیا اور بعض کو پکڑ لیا۔ چنانچہ سلطان صلاح الدین نے جنگ کی تیاری کی۔ انہوں نے ملک سے فوجیوں کو طلب کیا۔ صلاح الدین نے قسم کھائی کہ اگر وہ ارناط پر فتح یاب ہوئے تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سنہ 583 ہجری ربیع الثانی کے وسط میں جنگ حطین میں فتح نصیب فرمائی۔ **پھر صلاح الدین نے ارناط کو اس کی غداری اور راستہ روکنے کی سزا کے طور پر اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔** اس کے بعد 27 رجب 583 ہجری کو مسجد الاقصیٰ آزاد ہوئی"۔

"پھر 1307 ہجری، 1890 عیسوی میں، ایک تحریر کے مصنف نے اپنی تحریر کو، جس میں رسول اللہ ﷺ پر بہتان لگایا گیا تھا، پیرس کے ایک تھیٹر میں ڈرامے کے طور پر دکھانے کی کوشش کی۔ خلیفہ عبدالحمید کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے استنبول میں فرانسیسی سفیر کو طلب کیا اور جان بوجھ کر فوجی وردی میں اس سے ملاقات کی۔ پھر سلطان نے اسے دھمکی دی کہ اگر یہ ڈرامہ دکھایا گیا تو عثمانی ریاست حالتِ جنگ کا اعلان کر کے فرانس کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کر دے گی۔ اس نے سخت لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا **"میں مسلمانوں کا خلیفہ ہوں، اگر تم نے یہ ڈرامہ بند نہ کیا تو میں دنیا کو تمہارے سر پر الٹا دوں گا"**۔ فرانس نے اس دھمکی کے نتیجے میں اپنے لوگوں کو یہ ڈرامہ سٹیج کرنے سے روک دیا۔۔۔"۔

استعماری کفار اس وقت اس بات سے آگاہ تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کے مقدسات کو پامال کرنے کی صورت میں ان کی زبانیں کاٹ دی جائیں گی اور ان کے پاؤں توڑ دیے جائیں گے۔۔۔ مگر آج مقدس قرآن کو جلایا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین کی جاتی ہے، اور مسلم علاقوں پر حملہ کیا جاتا ہے، لیکن جارحیت کا بدلہ نہیں لیا جاتا! ایسا صرف اس لیے ہو رہا ہے کہ کوئی امام، خلیفۂ راشد موجود نہیں، جو امت کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے۔۔۔ صحیح متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **«إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ، يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ، وَيُتَّقَى بِهِ»** **"امام ڈھال ہے، اس کی آڑ میں لڑا جائے اور اس کی مدد کے ساتھ دشمن سے بچا جائے"** (بخاری و مسلم)۔

آخر میں، میں آپ سے اپنی پکار دہراتا ہوں، **اے اہلِ قوت و تحفظ**۔۔۔ یہ آپ ہی ہیں جو امت کے سینے کو اس کے دشمنوں، اپنے دین کے دشمنوں سے شفا دے سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے علاقوں میں جو ذلت پہنچی ہے اس کو صرف آپ ہی ختم کر سکتے ہیں۔۔۔ اس لیے اٹھیں، اپنا فرض ادا کریں، اللہ آپ پر برکت نازل فرمائے۔ اٹھیں اور ہمیں نُصرۃ دیں، خلافت راشدہ کے قیام کے لیے حزبُ التحریر کو نصرۃ دینے کے لیے اٹھیں۔ ایسا صرف اس حقیقت کی بنا پر نہیں کہ یہی فتح کا واحد راستہ ہے۔ بلکہ خلافت کا قیام ایک عظیم فرض ہے۔ اول یہ کہ جو شخص خلافت کو قائم کرنے

،اور بیعت کے مستحق خلیفہ کا تقرر کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود اس مقصد کے لیے کام نہ کرے تو اس کا گناہ اتنا بڑا ہے کہ گویا وہ قبل از اسلام (جاہلیت) کی موت مر گیا، جو اس گناہ کی شدت کا ثبوت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، **«وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً» "اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت نہیں تو وہ جاہلیت (قبل از اسلام) کی موت مرا"** (مسلم)۔ دوئم یہ کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد پہلے خلیفہ کی بیعت کی، اس کے بعد ہی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے لیے تیاری کی اور آپ ﷺ کی تدفین کا فرض انجام دیا۔ یہ سب خلافت کی اہمیت کی وجہ سے ہے۔ تیسرا یہ کہ عمرؓ نے اپنی وفات کے دن یہ مقرر کیا کہ وہ چھ صحابہ، جن کو جنت کی بشارت دی گئی تھی، "تین دن" کی مدت میں امت کے لیے اپنے میں سے ایک خلیفہ کا چناؤ کریں۔ اور حکم دیا کہ اگر اس مدت کے اندر خلیفہ کے بارے میں ان چھ میں کوئی معاہدہ نہ ہو سکا تو اختلاف کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ یہ احکامات حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس میں دیے تھے اور ان سے کوئی اختلاف روایت نہیں ہوا۔ چنانچہ یہ صحابہ کرامؓ کا متفقہ اجماع تھا۔ تاہم، جہاں تک ہماری بات ہے تو، "ہزاروں تین دن" ہم پر گزر چکے ہیں! بے شک خلافت کا قیام بہت اہم معاملہ ہے۔

اے اللہ کے سپاہیو: ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے لیے خلافت قائم کرنے کے لیے فرشتے آسمان سے نہیں اتریں گے۔ بلکہ اگر ہم خلافت کے قیام کے لیے محنت کریں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری مدد کے لیے فرشتے بھیجیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود سچا وعدہ ہے ﴿**وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا"** (النور، 24:55)۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق موجودہ جابرانہ حکومت کے بعد خلافت کے دوبارہ قیام کی خوشخبری دی گئی ہے، **« ...ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ» "...اور پھر جب تک اللہ چاہے گا ایک جابرانہ**

حکومت رہے گی اور پھر جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا اسے ختم کر دے گا اور پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت ہو گی" (مسند احمد)، اور یہ کہہ کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہمیں یہ بھی احساس ہے کہ اسلام کے دشمن خلافت کے دوبارہ قیام کو ناممکن سمجھتے ہیں۔ ان کے حامی یہ قول دہراتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں، ﴿**غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ**﴾ **"ان کے دین نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے"** (الانفال، 8:49)۔ البتہ جس طرح یہ قول ان لوگوں پر وبال ہے جنہوں نے پہلے ایسا کہا تھا، کیونکہ اللہ نے اپنے دین کو عزت بخشی اور اپنی قوم کو فتح بخشی، اسی طرح آج یہ بات کہنے والوں پر اللہ رب العزت کی طرف سے وبال ہے، جو غالب، حکمت والا ہے اور اپنے اُن مخلص بندوں کے ساتھ ہے جو دل وجان سے محنت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ﴿**إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْراً**﴾ **"یقیناً اللہ اپنا کام پورا کر لیتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کا تعین کر رکھا ہے"** (الطلاق، 65:3)۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس "متعین" امر کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا**﴾ **"وہ پوچھتے ہیں، "یہ کب ہوگا؟" کہو، "ہو سکتا ہے کہ (اس کا وقت) قریب ہی ہو!"** (الاسراء، 17:51)۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا بھائی، عطاء بن خلیل ابو الرشتہ
امیر حزب التحریر

28 رجب، 1444 ہجری
19 فروری، 2023ء

فہرست

کیا پاکستان میں خلافت کا قیام ایک اور عالمی جنگ کو جنم دے سکتا ہے؟

شہزاد شیخ، پاکستان

چند لوگوں کا خیال یہ ہے، خصوصاً وہ جو حکمران اشرافیہ سے تعلق رکھتے ہیں، کہ اگر پاکستان میں خلافت قائم ہوتی ہے تو پوری دنیا پاکستان پر دھاوا بول دے گی۔ اور یوں پاکستان میں خلافت کے قیام سے ایک اور جنگِ عظیم چھڑ جائے گی۔ اس تصور کے پسِ منظر میں بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ موجودہ ورلڈ آرڈر، جس کی سربراہی امریکہ کرتا ہے، اپنے خلاف کوئی آواز بھی اٹھائے جانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

اس نئی صدی کے آغاز سے ہی ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ نے عراق کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ امریکہ نے ایران، شمالی کوریا اور یہاں تک کہ روس کے خلاف یوکرائن کے ساتھ تنازعہ کی وجہ سے سخت ترین پابندیاں لگائیں۔ حالانکہ یہ وہ ریاستیں ہیں جو کہ نظریاتی طور پر موجودہ ورلڈ آرڈر کو چیلنج نہیں کر رہیں، بلکہ وہ عالمی سیاست کے میدان میں اپنے حجم کے مطابق کسی حد تک ایک قابل احترام مقام رکھنا چاہتی ہیں لیکن پھر بھی امریکہ کو یہ بات پسند نہیں، وہ بس اپنا تسلط چاہتا ہے اور اسی لئے وہ کسی اور کو اس رستے پر چلنے کی اجازت نہیں دیتا جس سے وہ بالآخر اپنا ہدف حاصل کر سکیں۔

لٰہذا ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کتنی شدت اور سختی کے ساتھ امریکہ اور باقی تمام مغربی دنیا اپنا ردِ عمل ظاہر کرے گی جب ریاستِ خلافت کا اعلان ہو گا جو کہ موجودہ ورلڈ آرڈر کو نہ صرف ایک بار عب اور باوقار مقام حاصل کرنے کے لئے چیلنج کرے گی بلکہ خلافت موجودہ مغربی ورلڈ آرڈر کو نیست و نابود کر دے گی اور اس کی جگہ ایک نیا ورلڈ آرڈر قائم کرے گی جو کہ اسلام کا ورلڈ آرڈر ہو گا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ اور باقی تمام مغربی دنیا ریاستِ خلافت کے قیام کی بھرپور مخالفت کریں گے، کیونکہ 1924ء میں خلافت کے انہدام سے لے کر انہوں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ خلافت کبھی بھی واپس

نہ آسکے۔ وہ ہر سطح پر یہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ مسلم دنیا میں خلافت کی بحالی کا کام کرنے کے لئے سیاست کے میدان میں کسی کو بھی کوئی موقع نہ مل پائے۔ لیکن مسلمانوں کی گردنوں پر سوار بد ترین جابرانہ حکومتیں مسلط کرنے کے باوجود بھی خلافت کے قیام کی پُکار نہ صرف مسلم دنیا کے ہر کونے میں مضبوطی سے اپنے قدم جمانے کے قابل ہو چکی ہے بلکہ اب یہ پوری اُمت کا مطالبہ بن چکی ہے۔ لہٰذا ایک بات تو بالکل واضح ہے کہ خلافت کی پُکار کو دبانے، ختم کرنے اور اسے مٹا دینے کے لئے ہر طرح کا نسخہ آزما لینے کے باوجود بھی، استعمار اور ان کی کٹھ پُتلی حکومتیں اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی ہیں اور یہ اس لئے کہ یہ پُکار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کی طرف پُکار ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ خلافت دوبارہ عین نبوت کے نقشِ قدم پر ضرور قائم ہو گی۔

اس کے علاوہ ہم پچھلی دو دہائیوں میں یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ امریکہ نے افغانستان کے مسلمانوں پر عالمی جنگ برپا کئے رکھی۔ ہم اسے عالمی جنگ کیوں کہہ رہے ہیں؟ اس لئے کہ ایک طرف تو اس جنگ میں امریکہ کے ساتھ نیٹو تھا اور مسلمانوں کے کٹھ پُتلی حکمرانوں کی فوج اور انٹیلیجنس پر مبنی معاونت شامل تھی جبکہ دوسری طرف افغانستان کے نہتے مسلمان تھے۔ افغانستان کے پاس کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی لیکن اس کے باوجود بھی ان ہلکے معمولی ہتھیاروں سے لیس مسلمانوں نے پوری دنیا کے لئے یہ ناممکن بنا دیا کہ وہ ان پر غلبہ پاسکیں بلکہ آخر میں وہ بُری طرح شکست کھانے کے بعد ذلیل ورُسوا ہو کر افغانستان سے نکلے۔ یہی ایک مثال ہی اس بات کی دلیل کے لئے کافی ہے کہ خلافت کے قیام کے بعد، اگر پوری دنیا مل کر بھی اس کے خلاف عالمی جنگ چھیڑ دے وہ اسے شکست دینے کے قابل ہونا تو دَر کنار، وہ پاکستان میں قائم ہونے والی خلافت کے خلاف مقابلہ کرنے کی ہمت بھی نہ کر پائیں گے۔

خلافت کے قیام کے بعد، کفار ہر گز ریاستِ خلافت کے خلاف عالمی جنگ کرنے کے قابل نہ ہو سکیں گے۔ فروری 2012ء میں امریکہ کے سیکرٹری دفاع رابرٹ گیٹس (Robert Gates) نے ویسٹ پوائنٹ کیڈٹس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا، کہ امریکہ کے لئے یہ انتہائی غیر دانشمندانہ بات ہو گی کہ وہ کبھی دوبارہ، عراق یا

افغانستان جیسی ایک اور جنگ میں سر کھپائے، اور یہ کہ اس انداز میں دوبارہ حکومت تبدیل کر دینے کے امکانات بہت کم ہیں۔ "میری رائے میں، مستقبل میں آئندہ اگر کوئی سیکرٹری دفاع، صدر کو دوبارہ ایک بڑی امریکی برّی فوج کو ایشیا یا مشرقِ وسطیٰ یا افریقہ بھیجنے کا کہتا ہے تو اس سیکرٹری دفاع کو 'اپنے دماغ کا علاج کرانا چاہئے' جیسا کہ جنرل میک آرتھر نے بھی کہا تھا"۔ رابرٹ گیٹس نے فوجی کیڈٹس کے اجلاس کے دوران یہ بتایا تھا۔

لہٰذا درج بالا بیان کی روشنی میں اگر امریکہ اپنی فوج کو کبھی بھی کسی قلیل سے گروہ سے جنگ کرنے کے لئے بھی ایشیا، مشرقِ وسطیٰ یا افریقہ بھجوانے پر راضی نہیں ہے تو پھر آخر کیسے امریکہ اور باقی تمام دنیا پاکستان میں قائم ہونے والی خلافت پر حملہ کرنے کی جرأت بھی کر سکیں گے، جبکہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس کے پاس پہلے ہی دنیا کی چھٹے نمبر پر بڑی فوج موجود ہے جو کہ ثابت شدہ نیوکلیئر صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ، بیلسٹک اور کروز میزائلوں کی صورت میں مؤثر ہتھیاروں سے لیس ہے؟ یاد رہے کہ اس زبردست فوجی طاقت کے علاوہ، ریاستِ خلافت کے پاس لاکھوں کی تعداد میں مجاہدین بھی موجود ہوں گے۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ امریکہ، روس کے ساتھ یوکرائن میں براہِ راست نہیں اُلجھ رہا بلکہ وہ روس کے خلاف پراکسی وار (proxy war) لڑ رہا ہے۔ اگرچہ روس اس مقام پر نہیں ہے کہ عالمی تجارت میں مداخلت کر سکے، لیکن پھر بھی سپلائی چین (supply chains) اس بُری طرح متاثر ہو رہی ہیں کہ تیل اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں انتہائی حد تک بڑھنے کی وجہ سے یورپ کے لوگوں نے یوکرائن میں جنگ بندی کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ روس سے موازنہ کریں تو پاکستان خلیج فارس کے متصل واقع ہے اور مغرب سے مشرق کے اطراف تجارتی جہاز بحیرۂ عرب میں عین پاکستان کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ لہٰذا دنیا کسی قیمت پر پوری عالمی تجارت کو نقصان پہنچانے کا اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔

لیکن بہر حال ان تمام مشکلات کے باوجود، پھر بھی اگر مغرب پاکستان پر حملہ آور ہونے کی ہمت کر بھی لے تو وہ ہر گز ایسا کرنے کے قابل نہ ہو سکے گا۔ افغانستان پر ہونے والے حملہ کو یاد کریں تو امریکہ کبھی بھی ہمسایہ ممالک، جیسے پاکستان کی مدد کے بغیر افغانستان پر حملہ نہ کر سکتا تھا۔ چونکہ افغانستان کے پاس سٹریٹجک اور جدید ہتھیار موجود نہ تھے اس لئے امریکہ نے آسانی سے اپنی فوج افغانستان میں منتقل کر دی اور آس پاس کے ہمسائیوں سے کسی دِقّت و خطرہ کے بغیر سپلائی روٹ قائم کر لئے۔ لیکن پاکستان کے معاملہ میں، امریکہ کو وہی سہولت دوبارہ فراہم نہ ہو سکے گی جیسی افغانستان پر حملہ کے وقت میسر تھی۔ اور اگر امریکہ خطہ میں کسی ہمسایہ ملک کی حمایت لے بھی لے تو پاکستان اپنے جدید نیوکلئیر ہتھیاروں کی وجہ سے کسی بھی امریکی جارحیت کا آسانی سے مقابلہ کرنے کے قابل ہے۔ پس جس طرح آج امریکہ روس کے نیوکلئیر ہتھیاروں کے خوف سے یوکرائن کے تنازعہ میں براہِ راست کُود پڑنے سے ہچکچا رہا ہے بالکل اسی طرح امریکہ، نیوکلئیر ہتھیاروں سے لیس پاکستان کی خلافت پر حملہ کے بارے میں سوچنے کی بھی جرأت نہ کر سکے گا۔

آج پاکستان کی قیادت، ایک شکست خوردہ قیادت ہے جو ہر حالت میں امریکہ اور اس کے عالمی آرڈر کی چاپلوسی اور غُلامی کرنا چاہتی ہے۔ یہی رویہ امریکہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ پاکستان کے پاس دنیا کی چھٹے نمبر پر بڑی اور نویں نمبر پر مضبوط ترین فوج موجود ہونے کے باوجود پاکستان پر حکم چلائے اور جب ضرورت سمجھے تو اس پر حملہ آور بھی ہو جائے کیونکہ اسے یہ یقین ہے کہ امریکہ کو پاکستان سے کبھی بھی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ امریکہ صرف اُسی ملک پر حملہ کرتا ہے جہاں اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ ملک عالمی نظام کا غلام ہے اور ایک آسان شکار ہے۔ اور جہاں کہیں امریکہ کو یہ یقین ہو کہ مخالف ملک جوابی کاروائی کے ساتھ اقدامی حملہ بھی کر سکتا ہے تو امریکہ ایسے ملک پر حملہ کرنے کے بارے میں کبھی جرات بھی نہیں کر سکتا۔ یاد رہے کہ 1949ء میں عوامی جمہوریہ چین نے کونسا نظام نافذ کر دیا تھا۔ اُس وقت امریکہ اور روس (USSR) میں شدید مخالفت آرائی جاری تھی اور یہ امریکہ کے مفاد کے لئے شدید نقصان دہ تھا کہ وہ ایک اور کمیونسٹ ملک کے قیام کو قبول کر لے۔ لیکن آخر ایسی کیا بات تھی کہ امریکہ، چین پر

حملہ کرنے کی ہمت بھی نہ کر سکا حالانکہ چین اپنے ملک کے داخلی معاملات، اندرونی پھوٹ اور بیرونی قبضوں کی وجہ سے خاصا کمزور تھا؟ یہ اس لئے کہ امریکہ کو یہ معلوم تھا کہ چین کے پاس اب ایک ایسی قیادت ہے جو ایک خاص نظریہ رکھتی ہے اور وہ نظریہ چین کی ریاست کو امریکی جارحیت کا بھرپُور جواب دینے کے قابل بنادے گا۔ اسی طرح اگر پاکستان خلافت کو قائم کرلیتا ہے جو کہ اسلام کی بنیاد پر قائم ایک ریاست ہو گی تو امریکہ کسی بھی قسم کی جارحیت کی ہرگز ہمت نہ کر سکے گا۔

لہٰذا یہ محض ایک خام خیالی ہے کہ اگر خلافت کا دوبارہ قیام پاکستان سے ہوتا ہے تو پوری دنیا ہم پر حملہ آور ہو جائے گی اور ایک عالمی جنگ چھڑ جائے گی۔ کفار ہمارے دلوں میں خوف کا بیج بونا چاہتے ہیں تا کہ ہم پاکستان میں خلافت کے دوبارہ قیام کے لئے جدوجہد نہ کریں، اور دنیا کے ساتھ ساتھ ہمارے علاقوں میں بھی امریکی اجارہ داری یونہی جاری وساری رہے۔ عراق وافغانستان میں ناکام مہم جوئیوں کے بعد یہ قطعی ممکن نہیں کہ امریکہ کبھی ایک نیوکلئیر ہتھیاروں سے مسلح ملک یعنی پاکستان پر حملہ کے بارے میں سوچ بھی سکے گا۔ لہٰذا ہمیں ہر حالت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کی بحالی کے لئے دن رات ایک کر دینے چاہئیں۔

﴿اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور اگر وہ (اللہ) تم کو چھوڑ دے گا تو پھر کون ہے کہ اس کے بعد تمہاری مدد کرے۔ اور مسلمانوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے" (آل عمران؛3:160)

فہرست

سوال کا جواب: درایۃ کی بنیاد پر کسی حدیث کو مسترد کیے جانے سے کیا اس کا حدیث کی روایت پر بھی کوئی اثر پڑتا ہے؟

(عربی سے ترجمہ)

نذار ستیتیہ کے لیے

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ آپ کی مدد فرمائے اور عِلم کو بُلند رکھنے میں آپ کو ثابت قدمی عطا فرمائے!

سوال یہ ہے کہ ایک حدیث جس کو درایۃً (معنوی طور پر) رد کر دیا جائے، کیا اس کا اثر حدیث کی روایت پر بھی پڑتا ہے؟ بالفاظ دیگر، جب یہ ثابت ہو جائے کہ مثلاً فلاں مخصوص حدیث درایت کے اعتبار سے رَد کی گئی ہے، تو کیا اس وجہ سے اس حدیث کے کسی راوی پر جِرح ہو سکتی ہے؟ خواہ یہ جِرح آخری راوی پر ہو، جس نے حدیث روایت کی ہے، یا پہلے راوی پر، جس نے سب سے پہلے اپنا مشاہدہ یا سُنی ہوئی بات نقل کر کے آگے پہنچائی؟ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب:

بلاشبہ آحاد حدیث کو صرف اس وقت ہی قبول کیا جاتا ہے، جب روایت اور درایت کے اعتبار سے اس کی صحت کی تمام شرائط پوری ہوں۔

1۔اب روایت کی شرائط کیاہیں؟ وہ یہ ہیں کہ ایک تو حدیث کی سند(chain) صحیح ہو،یعنی شروع سے لے کر آخر تک سند کے اندر جتنے راوی آئے ہیں، سب کے سب صحت کی شرائط پر پورے اترتے ہوں، صحت کی شرائط یہ ہیں کہ حدیث کا راوی مسلمان ہو، بالغ ہو، عقلمند ہو، عادل (شریف) ہو، سچا ہو، اس کی یادداشت اچھی ہو، یعنی حدیث سن لینے کے زمانے سے لے کر آگے روایت کرنے کے دن تک اس کو اچھی طرح یاد رہی ہو۔۔ وغیرہ جب حدیث کے راویوں کے اندر یہ تمام شرائط موجود ہوں تو کہا جاتا ہے کہ حدیث روایت کے اعتبار سے صحیح ہے۔

2۔درایت کی شرائط کامل ہونے کا مطلب ہے، کہ حدیث کا متن(Text) اپنے سے زیادہ قوی حدیث یا کسی آیت، کسی متواتر حدیث یا حدیث مشہور سے نہ ٹکرا رہا ہو.......

اس کا مطلب ہے کہ اگر حدیث کی سند میں کوئی راوی ضعیف (کمزور) یا مجہول (ناآشنا) ہو .... تو ایسی حدیث کو روایت کی بنیاد پر رَد کیا جاتا ہے۔

لیکن اگر سَند کے رجال (راوی) میں کوئی مسئلہ نہ ہو، البتہ اس کا متن کسی دوسری قوی حدیث سے ٹکرا رہا ہو تو اس کو درایت کی بنیاد پر رد کیا جاتا ہے۔

اس بنا پر درایت کی بنیاد پر کسی حدیث کو رد کیے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ اس حدیث کا کوئی راوی ضعیف یا مجروح ہے....وغیرہ۔ اگر سند میں ایسا کوئی راوی موجود ہوتا تو حدیث روایت کی بنیاد پر مسترد ہوتی۔ درایت کی بنیاد پر حدیث کو رد کرنے کے معنی ہیں کہ اس کی سند کے رجال میں تو کوئی کلام نہیں، لیکن اس کا متن دوسری قوی ترین حدیث سے ٹکراتا ہے۔

شخصیہ جلد اول صفحہ 188 میں درج ہے:

"اس میں بات یہ ہے کہ جب ایک حدیث قرآن کی کسی قطعی المعنی آیت کے ساتھ متعارض ہو، تو اس کی وجہ سے حدیث درایت یعنی متن کی وجہ سے مردود ہو گی، کیونکہ اس کا معنی قرآن سے ٹکرا رہا ہے۔ اس کی مثال میں فاطمہ بنت قیس کی حدیث پیش کی جاتی ہے، وہ کہتی ہیں: ((**طلقني زوجي ثلاثاً على عهد رسول الله ﷺ فأتيت النبي ﷺ فلم يجعل لي سكناً ولا نفقة**)) "**مجھے میرے شوہر نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تین طلاقیں دیں، تو میں (اس معاملے میں) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ ﷺ نے میرے لیے نہ کوئی رہائش مقرر کی اور نہ کوئی خرچہ**"۔ فاطمہ کی یہ حدیث مردود ہے کیونکہ یہ قرآن مجید سے ٹکرا رہی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ **أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ** ﴾ "**اپنی استطاعت سے جہاں تم رہتے ہو، وہیں ان کا بھی رہائش کا انتظام کرو**"۔ لہذا اب یہ حدیث مردود ہو گی کیونکہ یہ قرآن کی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ آیت سے ٹکرا رہی ہے۔ اور جب حدیث قرآن سے نہ ٹکرا رہی ہو، مثلاً اس میں کوئی ایسا حکم آیا ہو جو قرآن نے ذکر نہیں کیا ہے، یا قرآن مجید میں ذکر شدہ حکم میں کوئی اضافہ (addition) کرنے پر مشتمل ہو، ایسی صورت میں حدیث کو بھی لیا جائے گا اور قرآن کو بھی۔ یہ نہ کہا جائے کہ ہمارے لیے قرآن کافی ہے، جو قرآن میں آیا ہے وہ بس ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک ساتھ دونوں کا حکم دیا ہے اور دونوں کا ایک ساتھ عقیدہ رکھنا واجب ہے۔

اور شخصیہ جلد 3 صفحہ 90-91 میں آیا ہے:

آحد حدیث کو قبول کرنے کی شرائط: آحد حدیث تب قبول کی جاتی ہے جب اس کی روایت اور درایت کی شرطیں پوری ہوں۔ روایت کی شرائط یہ ہیں کہ حدیث روایت کرنے والا (راوی) مسلم، بالغ، عاقل، عادل، صادق ہو اور جو بات سنے اس کو یاد رکھ سکتا ہو، یعنی حدیث سُن لینے کے وقت سے اس کو بیان کرنے تک اسے یاد رہی ہو۔ اصول الفقہ اور مصطلح الحدیث کے علماء نے روایت کی شرائط کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور حدیث کے رجال یعنی راویوں کی تاریخ اور حالات کو بیان کیا ہے، ہر ہر راوی کے بارے میں یہ واضح کیا ہے کہ اس کے اندر یہ صفات موجود ہیں یا نہیں، یہ سب تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ اور جہاں تک درایت کی بنیاد پر کسی حدیث کو قبول کرنے کی شرائط کا تعلق ہے تو وہ یہ کہ وہ

حدیث اپنے سے زیادہ قوی حدیث سے متعارض نہ ہو، یا کسی قرآنی آیت یا حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے نہ ٹکراتی ہو، جیسے وہ حدیث جس کو فاطمہ بنت قیس نے روایت کی، وہ کہتی ہیں: ((**طلقني زوجي ثلاثاً على عهد رسول الله ﷺ فأتيت النبي ﷺ فلم يجعل لي سكناً ولا نفقة**))"میرے شوہر نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مجھے تین طلاقیں دیں، تو میں (اس معاملے میں) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ، آپ ﷺ نے میرے لیے نہ کوئی سکونت مقرر کی نہ کوئی خرچہ"۔ اس کو مسلمؒ نے روایت کیا۔ فاطمہ کی یہ حدیث مردود ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹکرا رہی ہے: ﴿**أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ**﴾ "اپنی استطاعت سے جہاں تم رہتے ہو، وہیں ان کا بھی رہائش کا انتظام کرو"۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو مسترد کرنا واجب ہے اور اس پر عمل جائز نہیں۔

امید ہے کہ اس تفصیل سے آپ کی تشفی ہوئی ہو گی، واللہ اعلم و احکم

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

30 شوال 1443ھ

بمطابق 30 مئی 2022 ء

فہرست

سوال کا جواب: ڈیورنڈ لائن کے دونوں اطراف افغان اور پاکستانی سیکورٹی فورسز کے درمیان جھڑپیں

(عربی سے ترجمہ)

سوال:

وقتاً فوقتاً ڈیورنڈ لائن کے دونوں جانب افغان اور پاکستانی سیکورٹی فورسز کے درمیان تصادم اور جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں، ان جھڑپوں میں دونوں ملکوں کے دسیوں افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ 2021 میں اگست کے وسط میں طالبان کے افغانستان میں بر سر اقتدار آنے کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ اس کے اسباب کیا ہیں؟ کیا اس کے اسباب علاقائی ہیں یا خارجی ہیں؟

جواب:

ان اسباب کو واضح کرنے کے لیے ہم پہلے یہ وضاحت کرتے ہیں:

پہلا: افغانستان اور پاکستان کی تاریخی اور جغرافیائی حقیقت:

1۔ 1893ء میں اس وقت کے برطانوی وزیر خارجہ سر مورٹیمور ڈیورانڈ (Sir Mortimer Durand) اور افغان بادشاہ امیر عبد الرحمن خان کے درمیان بڑی حد بندی (جس کو ڈیورنڈ لائن کا نام دیا گیا) کا معاہدہ ہوا جس کی لمبائی 2649 کلومیٹر ہے جو افغانستان اور پاکستان کے درمیان شمال مشرق سے جنوب مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سرحد کو پاکستان اور افغانستان کے درمیان باقاعدہ سرحد تسلیم کیا گیا، اس نے پشتون قبائل کو لائن کی

دونوں جانب تقسیم کر کے رکھ دیا۔ یاد رہے کہ دونوں طرف سرحدی علاقوں میں پشتون قبائل کی اکثریت ہے جو افغانستان میں بھی سب سے بڑے قبائل ہیں اور افغانستان کی آبادی کا 40 فیصد پشتون ہیں، اور دو صدیوں سے افغانستان کے تمام حکمران پشتونوں میں سے آئے ہیں۔ اسی طرح پاکستان میں بھی پشتون پنجابیوں کے بعد سب سے زیادہ ہیں۔

بہر حال افغانستان اس لائن کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے، خاص طور پر اس وجہ سے کہ برطانیہ نے اس وقت ڈیورنڈ لائن کھینچتے ہوئے خطے کی نسلی اور قبائلی ڈیمو گرافک بنیاد کو خاطر میں نہیں لایا اور 21 نومبر 1893ء کو اپنے استعماری مفاد کے لیے مصنوعی طور پر یہ لکیر کھینچ لی۔ برطانویوں نے اپنے سے پہلے والے بہت سے لوگوں کی طرح ان سرحدی علاقوں پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ان سنگلاخ پہاڑیوں کے قبائل نے اس بات کو کبھی قبول نہیں کیا کہ ان پر ایران یا ہندوستان کے توسیع پسند حکمران حکومت کریں۔ برطانیہ نے 1839ء سے 1842ء تک افغانستان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن شرمناک عسکری شکست کا سامنا کیا۔ پھر 1878ء میں دوبارہ حملہ کیا مگر دو سال بعد ہی پسپا ہوا۔ مگر برطانیہ نے افغان حکمرانوں پر سیاسی اثر ورسوخ حاصل کیا جنہوں نے 1879ء میں اس کے ساتھ جانڈاماک (Gandamak) کے معاہدے پر دستخط کیے تھے اور اس معاہدے کی وجہ سے افغانستان اپنی وسیع اراضی سے محروم ہوا اور وہ برطانوی استعمار کے قبضے میں گئی جس نے اسلامی برصغیر پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ افغان حکمرانوں نے اپنی خارجہ پالیسی کو برطانیہ کی پالیسی کے مطابق چلانے کو قبول کیا، بلکہ برطانیہ نے اُن کے خارجی تعلقات کو محدود کیا اور اس کے بدلے افغانستان کو مالی مراعات دیں۔۔۔

2۔ بیسویں صدی کے وسط تک برطانیہ نے دونوں ملکوں (افغانستان اور پاکستان) اور ان کی پالیسیوں پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ یہ کنٹرول اس وقت تک جاری رہا جب پاکستان میں امریکہ کی جانب سے فوجی انقلاب لائے گئے۔ افغانستان میں اس کا کنٹرول بادشاہت کے اختتام اور سوویت یونین کے دور میں روسی بالادستی اور 1979 میں روسی قبضے کے ساتھ ختم ہوا، تاہم روس کو افغانستان میں شرمناک شکست کا سامنا ہوا اور وہ ذلیل ہو کر افغانستان سے نکل گیا۔

پھر امریکہ نے روس کی جگہ لینے اور اپنے تابع پاکستان اور سعودیہ کی مدد سے اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ 1996 میں طالبان کی پہلی حکومت ہوئی، جس کو 2001ء میں امریکہ نے حملہ کرکے ختم کردیا اور افغانستان پر قبضہ کرلیا۔ مگر امریکہ بھی 20 سال افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد بالآخر 2021 میں عسکری شکست کے بعد ذلیل ورسوا ہو کر نکلا، اور طالبان دوبارہ 15 اگست 2021 کو برسر اقتدار آئے۔

دوسرا: افغانستان اور پاکستان کے درمیان حالیہ جھڑپیں

1۔ اگست 2021ء میں امریکہ کے نکلنے کے بعد طالبان دوحہ معاہدے کے مطابق کابل میں حکمران بن گئے، انہوں نے پاکستان کی جانب سے سرحد کو کنٹرول کرنے کے لیے اٹھائے جانے والے اقدامات کو پرزور طور پر مسترد کیا، یوں ڈیورنڈ لائن کے دونوں طرف سرحدی کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ افغان پناہ گزینوں اور پشتون قبائل کو تنگ کرنے پر سرحدی کشیدگی میں اضافہ ہوتا رہا، پہلے یہ لوگ بلا روک ٹوک آزادی سے سرحد کی دونوں جانب آتے جاتے تھے، لوگوں اور اشیا کی منتقلی کی اجازت کے لیے سرحد کھولنے کے لیے ان جھڑپوں میں تیزی آتی گئی، پھر پاکستان نے تاریخ میں پہلی بار افغانیوں کے داخلے کے لیے ویزے کی پابندی لگائی، باڈر پر 3 میٹر اونچی خاردار تاریں لگائی اور سینکڑوں کلومیٹر خاردار تاروں پر سینکڑوں ملین ڈالر خرچ کیے جس کی وجہ سے کشیدگی میں مزید اضافہ ہوا۔ پاکستان نے یہ سب اشیا اور افراد کی نقل وحرکت روکنے اور "دہشت گردی" سے حفاظت کے نام پر کیا۔ یوں یہ خاردار تاریں حالات کشیدہ کرنے اور دونوں ملکوں کے درمیان سرحدی جھڑپوں کے اسباب میں سے ایک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طالبان حکومت پاکستانی سیکورٹی فورسز کو دونوں ملکوں کے درمیان 2700 کلومیٹر سرحد پر ان خاردار تاروں کو لگانے سے روکنے کی کوشش کررہی ہے جبکہ یہ 90 فیصد لگائی جاچکی ہیں۔ اشرف غنی حکومت نے ختم ہونے سے پہلے ان خاردار تاروں کو لگانے کی حمایت کی تھی۔ طالبان حکومت نے پاکستانی سیکورٹی فورسز کو ان تاروں کو نصب کرنے سے روکنے کی کوشش کی جس کی وجہ سرحدی علاقوں میں طرفین کے درمیان مختلف سرحدی علاقوں میں جھڑپیں ہوئیں جس میں دونوں اطرف سے لوگ زخمی اور جاں بحق ہوئے۔ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے جنوبی خوست قبائلی سردار مینا گل

زدران نے کہا کہ "تحریک طالبان کا موقف دونوں طرف رہنے والے قبائل کی حقیقت سے ہم آہنگ ہے کیونکہ ایک ہی نسل کے لوگوں کے درمیان خاردار تاریں نہیں لگائی جاسکتی جن کے خاندان، قبیلے رسم ورواج، دین اور معاشرہ ایک ہے۔ دونوں طرف خاندانی تعلقات ہیں، اسی لیے قبائل شروع سے ہی ان خاردار تاروں کی تنصیب کے خلاف تھے، مگر وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ اشرف غنی حکومت نے ان خاردار تاروں کے حوالے سے پاکستان کے ساتھ اتفاق کیا تھا مگر طالبان تحریک اپنے لیے ان قبائل کی اہمیت سے باخبر ہیں، کیونکہ طالبان کی قوت کا دارومدار ان قبائل پر ہے۔۔۔"(العربی الجدید 19 اپریل 2022)

2۔ یوں دونوں ملکوں کے درمیان حالات بگڑ گئے خاص طور پر جب پاکستان نے طالبان حکومت پر یہ الزام لگایا کہ وہ تحریک طالبان پاکستان کو پاکستانی فوج پر حملوں سے نہیں روکتی۔ اس کے بعد پاکستان نے یہ کہتے ہوئے افغانستان کے اندر چند مقامات کو نشانہ بنایا کہ یہ تحریک طالبان پاکستان کے اڈے تھے، جس کے بعد دونوں کے درمیان تنازعات میں اضافہ ہوا۔ اس کے بعد طالبان نے پاکستان پر الزام لگایا کہ امریکی طیارے پاکستان کے اوپر سے پرواز کر کے افغانستان پر بمباری کرتے ہیں اور ایسی ہی ایک بمباری میں القاعدہ تنظیم کے سربراہ ایمن الظواہری کابل میں مارے گئے۔ **"طالبان حکومت کے قائم مقام وزیر دفاع ملا محمد یعقوب نے اتوار کو کہا کہ پاکستان نے افغانستان پر حملوں کے لیے امریکی ڈرون کو اپنی فضائی حدود استعمال کرنے کی اجازت دی تھی، جس کی پاکستان کے وزیر خارجہ نے تردید کی۔ پاکستانی حکام نے اِس سے قبل اُس ڈرون حملے میں ملوث ہونے یا اس سے متعلق علم ہونے کی تردید کی تھی جس کے متعلق امریکہ نے کہا تھا کہ جولائی میں کابل میں حملہ اس نے کیا تھا جس میں القاعدہ کے رہنما ایمن الظواہری مارے گئے تھے۔ قائم مقام افغان وزیر دفاع ملا محمد یعقوب نے کابل میں ایک نیوز کانفرنس کو بتایا کہ یہ ڈرونز افغانستان میں پاکستان سے داخل ہوتے تھے۔"**(رائٹرز، 28 اگست 2022)۔

3۔ پاکستان کے مفادات ٹی ٹی پی کے حملوں کا نشانہ بنے، خواہ وہ حملے ملک ہوئے یا افغانستان کے اندر۔ اس لیے پاکستانی فوج نے افغانستان کے اندر تحریک کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا۔ افغانستان سے متصل وزیرستان میں حملے سے 7

فوجیوں کے مرنے پر اپریل 2022 میں افغانستان کے مشرق میں خوست اور کنڑ میں پاکستانی طیاروں نے بمباری کی جس کے نتیجے میں 47 لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ طالبان حکومت نے پاکستانی حکومت کو خبردار کیا کہ اگر دوبارہ ایسا حملہ ہوا تو وہ خاموش نہیں رہیں گے بلکہ اس کا بھرپور طاقت سے جواب دیں گے۔ حالانکہ 2 جون 2022 کو کابل میں افغان حکومت کی وساطت سے تحریک طالبان پاکستان اور پاکستانی حکومت کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا مگر یہ معاہدہ اس وقت ختم ہوا جب پاکستان نے اگست 2022 میں تحریک طالبان ایک کمانڈر کو اس کے تین ساتھیوں سمیت قتل کیا، جس کو 2014 میں آرمی پبلک سکول پشاور میں 132 بچوں کا قاتل سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد دونوں طرف سے حملے شروع ہو گئے۔۔۔ چنانچہ 15 دسمبر 2022 کو پاکستانی اور افغان سیکورٹی فورسز کے درمیان ایک ہفتے سے بھی کم مدت میں دوسری بار تصادم ہوا جس میں 16 پاکستانی شہری زخمی ہوئے۔ چمن باڈر کو ایک ہفتے کے لیے بند کر دیا گیا، جو کہ سب سے زیادہ پر ہجوم گزرگاہوں میں سے ایک اور اہم تجارتی راستہ ہے۔ فائرنگ کے اس تبادلے اور اس کشیدگی کے بعد دونوں اطراف سے اعلیٰ سطحی فوجی اور سیاسی عہدہ داروں نے 20 دسمبر 2022 کو پاک افغان دوستی گیٹ کے سامنے دونوں ملکوں کے درمیان سرحدوں پر کشیدگی کے ماحول میں امن کو برقرار رکھنے کے لیے اجتماع کا اہتمام کیا اور اس دوران پاکستان نے وقتی طور پر گزرگاہوں کو بند رکھا، تاہم یہ اجتماع ناکام ہوا اور کوئی قابل ذکر نتائج نہیں نکلے!

تیسرا: ان جھڑپوں کی محرکات اور دونوں ملکوں کے درمیان اس تناؤ میں اضافے کا سبب

اس سوال کا جواب دینے کے لیے دو اہم امور پر غور و فکر درکار ہے

امریکہ اور پاکستان کی جانب سے طالبان کو ہراساں کرنا اور اشتعال دلانا ہے جو کہ یوں ہے:

1۔ پاکستانی حکومت کی جانب سے ہراسانی اور اشتعال انگیزی:

ا۔ پاکستان کی جانب سے سرحد پر افغانیوں کو اشتعال دلانا جیسے ان کو تنگ کرنا اور نقل و حرکت سے روکنا، افغانستان کے اندر بمباری کرنا، سرحد پر خاردار تاریں لگانا اور اس عمل کو زبردستی مسلط کرنا اور سرحدوں پر سخت سیکورٹی اقدامات کرنا۔ پاکستان کی جانب سے یہ سب اشتعال انگیز اقدامات نے افغانستان میں قائم طالبان حکومت کو جوابی اقدامات پر مجبور کیا، لہٰذا انہوں نے بمباری کا جواب توپخانے سے بمباری کر کے دیا اور پاکستانی فوج کی جانب سے سرحد پر لگائی گئی باڑ کے بعض حصوں کو اکھاڑ دیا، جس کی وجہ سے دو طرفہ تناؤ اور کشیدگی میں مزید گرما گرمی پیدا ہوئی۔

ب۔اسی طرح پاکستانی فوج کی پاکستان میں پشتونوں کے خلاف جنگ اور سرحدی لائن کو افغانستان کے اندر لے جانا، افغان پناہ گزینوں کو تنگ کرنا اور بلاروک ٹوک سرحد کے دونوں اطرف آنے جانے والے پشتون خاندانوں کو تنگ کرنا،اور افراد اور اشیاء کے منتقلی کو روکنے سے کشیدگی میں اضافہ ہوا جس پر جھڑپیں ہوئیں۔ پاکستان نے مزید تنگ کرتے ہوئے تاریخ میں پہلی بار افغانوں کے لیے پاکستان میں داخل ہونے کے لیے ویزا کی شرط لگائی۔۔۔

ج۔اس کشیدگی میں اضافہ اس وجہ سے بھی ہوا کہ پاکستانی حکومت نے امریکی طیاروں کی افغانستان میں بمباری کے لیے سہولت کاری کی جیسا کہ کابل میں بمباری میں القاعدہ کے سربراہ ایمن الظواہری کو قتل کیا گیا جس کے حوالے سے ملا محمد یعقوب کے بیان کا ہم نے اوپر ذکر کیا تھا۔

2۔امریکہ کی جانب سے طالبان حکومت کو تنگ کرنا:

ا۔اس بات کو یقینی بنانا کہ افغانستان میں طالبان حکومت کو بین الاقوامی طور پر تسلیم نہ کیا جائے،امریکہ نے بین الاقوامی طور پر تسلیم کرنے کے لیے بہت سی شرائط رکھیں۔ بین الاقوامی طور پر تسلیم نہ کیا جانا طالبان حکومت پر لٹکتی تلوار بن چکی ہے۔ تسلیم کرنے کے لیے بین الاقوامی شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے جیسے مٹھی بھر سیکولر لوگوں اور امریکہ کے سابق ایجنٹوں کو اقتدار میں شریک کرنا، عورتوں کے حقوق اور مصنوعی مطالبات،اور ان کو جواز بنا کر تحریک طالبان پر حملے کرنا۔۔۔

ب۔ بیرون ملک موجود افغانستان کی رقوم کو منجمد کرنا اور نئی حکومت کو ان اموال سے استفادہ کرنے سے روکنا، بلکہ ان کے کچھ حصے کو غیر حکومتی طریقے سے خرچ کرنا یعنی تحریک طالبان حکومت کو کمزور کرنے کے لیے خرچ کرنا، جن میں سے ایک افغانستان میں مغرب سے جڑی سول سوسائٹی کے قیام کا مطالبہ اور اس کی کوششیں ہے۔

ج۔ امریکہ چاہتا ہے کہ ہندوستان پاکستان کی طرف سے بے فکر ہو کر چین پر توجہ مرکوز رکھے جس کے لیے پاکستان کو افغانستان کے ساتھ سرحدی کشیدگی میں الجھانا ضروری ہے، تاکہ پاک افغان سرحد پر امن نہ ہو لیکن پاکستان ہندوستان سرحد پر امن رہے اور ہندوستان پوری یکسوئی کے ساتھ چین کی طرف متوجہ رہے۔۔۔

۳۔ طالبان پر اس دباؤ کا تعلق امریکہ اور پاکستان دونوں کی طرف سے ہے، خصوصاً 11 اپریل 2022 کو شہباز شریف کے برسر اقتدار آنے کے بعد پاکستان میں امریکہ کی بھرپور وفادار حکومت قائم ہے جو بین الاقوامی تعلقات اور خارجہ پالیسی میں امریکہ کی ضرورت کے مطابق ہی چلتی ہے۔۔۔ اس سب باتوں کو جوڑنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے:

ا۔ امریکہ نے 2020 میں قطر کے دارالحکومت دوحہ میں تحریک طالبان کے ساتھ امن معاہدہ کیا، جس میں تحریک نے امارت اسلامی افغانستان کی جانب سے یہ عہد کیا کہ "امارات افغان سرزمین کو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف استعمال ہونے نہیں دے گی، وہ افغانستان میں کسی بھی جماعت اور فرد کو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے خطرہ بننے نہیں دے گی، وہ ایسے لوگوں کی بھرتی، تربیت اور فنڈنگ کو روکے گی اور ان کی میزبانی نہیں کرے گی" اور یہ کہ "امریکہ اور امارت اسلامیہ ایک دوسرے کے ساتھ مثبت تعلقات قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

یہ سب کچھ اور دوحہ معاہدے کے باوجود افغان سرزمین بدستور امریکی حملوں کی زد میں ہے۔ امریکہ نے یکم اگست 2022 کو اپنے صدر جو بائیڈن کے ذریعے اعلان کیا، جیسا کہ امریکی انتظامیہ کے آفیشل صفحے پر آیا کہ "امریکہ نے افغان دارالحکومت کابل میں ایک فضائی حملہ کیا جس کے نتیجے میں القاعدہ کے سربراہ ایمن الظواہری مارے گئے۔۔۔" جیسا کہ ملا محمد یعقوب کے بیان میں اوپر گزر چکا ہے۔ یہ سب کچھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امریکہ

بدستور اپنی انٹیلی جنس اور جاسوسوں کے ساتھ افغانستان میں سرگرم ہے، اور اس کے ایجنٹوں کا خاتمہ نہیں کیا گیا ہے۔ پاکستان بدستور امریکہ کے کنٹرول میں ہے جہاں سے امریکہ متحرک ہے اور اس کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے افغانستان میں اقدامات کر رہا ہے۔

ب۔اس طرح یہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ افغانستان اور پاکستان کے درمیان سرحدی جھڑپیں امریکہ کی جانب سے اکسانے اور شہ دینے پر ہو رہی ہیں، جس کا مقصد پاکستان کو افغانستان کے ساتھ سرحدی تنازعات میں الجھا کر ہندوستان کو چین پر توجہ مرکوز کرنے کے قابل بنانا ہے۔اس کے علاوہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ طالبان، اور خاص طور پر تحریک طالبان میں حقانی نیٹ ورک کو، جن سے افغانستان میں امریکی اور نیٹو فورسز پر متعدد حملوں کو منسوب کیا جاتا ہے، دباؤ میں لایا جائے۔ اس طرح طالبان کو کچھ بین الاقوامی معاہدوں، یا تصورات، یا امریکہ کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا جائے۔

چوتھا: امریکہ اور بطور ایجنٹ کے اس کے ساتھ مل کر کام کرنے والے اور ان کے پیروکار ہی اسلامی سرزمین میں فساد کی جڑ ہیں۔ امریکہ اور اس کے ایجنٹ کسی مؤمن کے حوالے سے رشتہ داری کا کوئی لحاظ رکھتے ہیں نہ کسی عہد کا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ**﴾ **"یہی دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو"(المنافقون، 63:4)**۔ اس لیے یہ حیران کن ہے کہ اس سب کے باوجود طالبان حکومت کے عہدہ دار قطر میں امریکی عہدہ داروں سے ملاقاتیں کرتے ہیں حلانکہ امریکہ نے افغانستان اور تمام مسلمانوں کے گرد گھیرا ڈالا ہوا ہے اور تاک میں بیٹھا ہوا ہے، یہ کبھی اپنے عہد کو پورا نہیں کرتا، اس نے افغانستان کے اموال کو منجمد کیا ہوا ہے جو کہ دوحہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے اور افغانستان سرزمین اور فضاؤں کی حرمت کو پامال کرتا ہے۔۔۔ کافر استعماری ممالک کا یہی حال ہے، کفر ایک ہی ملت ہے۔۔۔ یہ اپنے عہد وپیمان کی پابندی کبھی نہیں کرتے۔۔۔

مسلمانوں کا معاملہ اسی طرح ہی درست ہو سکتا ہے جیسے پہلے ہوا تھا: اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے حکمرانی، نبوت کے نقش قدم پر خلافت کا قیام، جو کفار اور ان کے پیچھے آنے والوں کو دھتکار دے گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **﴿فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ "اور جب جنگ میں تم ان پر قابو پالو تو ان کے ذریعے ان کے بعد آنے والوں کو بھی دھتکار دو۔" (الانفال، 8:57)**۔۔۔ خلافت، جس کا دستور اسلام ہے، وہ دستور جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اور اسی سے نکلنے والے اجماع صحابہ اور شرعی قیاس سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ کوئی انسانوں کا بنایا ہوا دستور نہیں ہے، چاہے وہ افغانستان میں ظاہر شاہ کا 1964ء کا دستور ہو جس کی حکومت 1973ء میں ختم ہوئی، اور اس کے دستور کو طالبان نے اختیار کیا جیسا کہ وزیر انصاف نے 28 ستمبر 2021 کو اعلان کیا (الجزیرہ، اناتولیہ اور وائس آف امریکہ، 28 ستمبر 2021)، یا جیسا دیگر مسلم ممالک کے انسانوں کے بنائے دستور ہیں، یہ سب اللہ کے حکم کے خلاف ہیں، **﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ﴾ "اور ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے فیصلے کیجئے، ان کی خواہشات کی پیروی مت کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہ کہیں اللہ کے نازل کردہ میں سے بعض کے بارے میں تمہیں فتنے میں نہ ڈالیں اور اگر یہ منہ موڑلیں تو جان لیجئے کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔" (المائدہ، 5:49)۔ مسلمانوں کے علاقوں کو جن مصائب اور فتنوں کا سامنا ہے اور استعماری کفار کی مسلمانوں کی سرزمین پر لالچی نظریں لگی ہیں، اس سب کی وجہ مسلمانوں کا اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے حکمرانی نہ کرنا اور نبوت کے طرز پر خلافت کا موجود نہ ہونا ہے، یہ کوئی نامعلوم بات نہیں بلکہ ہر بصارت اور بصیرت والے عقلمند کو معلوم ہے۔**

افغانستان اور پاکستان دونوں کو، جن کو امریکہ باہمی تنازعات میں الجھا رہا ہے، چاہیے کہ مسلمانوں کے درمیان لڑائی کے جرم کا ادراک کریں، حقیقی دشمنوں امریکہ اور ہندوستان کی چالوں کو سمجھیں جو ان تنازعات کو ہوا دے رہے ہیں اور اپنے خبیث مقاصد کے لیے ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔۔۔ دونوں کو چاہیے کہ اپنے برادرانہ اسلامی تعلقات کو

مزید مستحکم کریں، کفر کے سر غنہ امریکہ اور دوسرے کافر استعماری ریاستوں سے رابطہ توڑ دیں جو ہماری سرزمین کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہیں، دونوں کو چاہیے کہ خلافت کے قیام کی جدوجہد کرنے والوں کی مدد کریں تاکہ اسلام اور مسلمان سربلند ہوں اور کفار اور کفر ذلیل ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ**﴾ "**اس دن مؤمن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے وہی جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، وہی غالب اور رحم کرنے والا ہے۔**"(الروم، 5-4)

6 رجب 1444 ہجری

بمطابق 28 جنوری 2023ء

فہرست

سوال وجواب: جاپان کی نئی دفاعی حکمت عملی

(عربی سے ترجمہ)

سوال:

جاپان نے نئی دفاعی حکمت عملی اپنائی ہے جس کا اعلان چند دن پہلے کیا، یہ نئی دفاعی حکمت عملی عسکری اخراجات میں بڑے اضافے پر مشتمل ہے، کیااس کا یہ مطلب ہے کہ جاپان نے اپنی اُس عسکری قوت کو بحال کررہا ہے جو دوسری عالمی جنگ سے پہلے اسے حاصل تھی؟اس سے اس کے اہداف کیاہیں؟ کیا یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے یا یہ فیصلہ بیرونی اثر خاص طور پر امریکہ کی وجہ سے کیا گیا ہے؟

جواب:

جی ہاں جاپان نے نئی دفاعی حکمت عملی اپنالی ہےاور اس حوالے سے قانونی تبدیلیوں کی منظوری دی ہے۔
جاپانی وزیر اعظم فومیو کیشیدا کی حکومت نے 16/12/2022 کو تین دفاعی دستاویزات کی منظوری دی؛ پہلی "جاپان کی قومی سلامتی کی حکمت عملی"،دوسری "قومی دفاع کی حکمت عملی"،اور تیسری "دفاع کی تعمیر کا پروگرام"۔
کم سے کم یہ کہا جاسکتاہے کہ جاپان نے دوسری عالمی جنگ کے بعد کا صفحہ پلٹ دیا،اور سات دہائیوں سے شکست خوردگی کی حالت کو ختم کرنے کے لیے قدم اٹھایاہے،اور اپنی عسکری قوت کو بڑھنے سے روکنے والی ہر رکاوٹ کو ختم کردیاہے۔
اس معاملے کے تمام پہلوں کو سمجھنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل امور کو پیش کرتے ہیں:

پہلا:اس حکمت عملی کے متعلق:

1۔اس حکمت عملی کے ذریعے جاپان نے جاپانی دستور کی اُن شقوں پر عملدرآمد ختم کرنے کا اعلان کیا جن کو امریکہ نے جاپان پر قبضے کے دوران وضع کیا تھا اور جاپان 1947 سے اس پر عمل پیرا تھا۔اس دستور نے جاپان کو عسکری قوت بننے سے باز رکھا ہوا تھا اور جاپان کو اپنی سرحدوں سے باہر کسی قسم کی عسکری کاروائی کرنے سے روکا ہوا تھا۔اس کے باوجود کہ نئی جاپانی حکمت عملی جاپان کی جانب سے "جوابی"اور مشروط حملے کی بات کرتی ہے اور حملے میں پہل کرنے سے باز رکھتی ہے تاہم یہ پہلی بار ہوا ہے کہ جاپان اپنی سرحدوں سے باہر فوجی کارروائی کرنے کی پابندی سے آزاد ہو گیا ہے۔اس حکمت عملی کے تحت جاپان اپنی عسکری اخراجات کو 2027 تک دگنا کرے گا۔پہلے اس کے عسکری اخراجات اس کی کل ملکی پیداوار(جی ڈی پی)کا 1 فیصد تھے،جواب بڑھ کر 2 فیصد ہو جائیں گے(نیٹو ممالک کے اخراجات کے برابر)،اور یہ حکومتی خرچ کا 10 فیصد بنتا ہے۔(الجزیرہ 16/12/2022)۔یوں جاپان عسکری اخراجات کے لحاظ سے امریکہ اور چین کے بعد تیسرے نمبر پر آجائے گا۔

2۔یہ حکمت عملی کہتی ہے کہ یہ "بدترین منظر نامے" کی تیاری ہے،اور یہ کہ دوسری عالمی جنگ کے خاتمے کے بعد "امن وامان کی صورت حال سخت خراب اور نہایت پیچیدہ" ہے،اور اسے بیرونی خطرات کا سامنا ہے۔اس لیے امریکہ سے "ٹام ہاک" طرز کے 500 بین البراعظمی بلاسٹک اور ایس ایم 6 میزائل خریدنے کی ضرورت ہے تاکہ جاپان دور سے ہونے والے کسی بیرونی حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو۔

3۔جاپان کے دستور کی شق نمبر نو کی عبارت یوں تھی،"جاپانی قوم ہمیشہ کے لیے جنگ سے دستبردار ہے،ریاست کو جنگ کا حق نہیں،وہ بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنے کے لیے کسی بھی قسم کی شدت پسندانہ اور دھمکی آمیز اقدام کے حق سے محروم ہے اور ریاست یہ تسلیم ہی نہیں کرتی کہ اس کو جنگ میں کودنے کا حق ہے۔"اب اس شق کو ختم کیا گیا ہے تاکہ جاپان نئی جنگی پالیسی اپنائے جو اندرونی طور پر بڑی تبدیلیوں کا تقاضا کرتی ہے جیسے جنگی اخراجات، عسکری صنعت اور ایک ایسی حقیقی فوج کی بناوٹ جو دوسری عالمی جنگ سے پہلے کی زبردست جاپانی فوج کی یاد کو اذہان میں تازہ کردے۔

4۔ جاپان نے اپنے پڑوسیوں اور دوسری بین الاقوامی قوتوں کے ساتھ اس پُرامن بقائے باہمی کی پالیسی کا خاتمہ کیا جس کو اختیار کیا گیا ہوا تھا، نئی ترامیم کے مطابق جاپانی فوج ان ممالک کے خلاف "جوابی حملے" کرے گی جن کو دشمن ممالک سمجھتی ہے۔ نئی حکمت عملی میں "شر کے تکون" کو چیلنج کرنا بھی شامل ہے اگرچہ اس کو یہ نام نہیں دیا گیا ہے۔ "شر کی اس تکون" کی نمائندگی چین کرتا ہے جس کو " جاپان کا سب سے بڑا اسٹریٹیجک چیلنج" کا نام دیا گیا ہے، دوسرا اس تکون میں شمالی کوریا ہے جس کو " جاپان کے لیے آج کا بڑا خطرہ اور چیلنج" کا نام دیا گیا ہے، جبکہ تیسرا روس ہے جس کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ وہ "اپنے اہداف کے حصول کے لیے عسکری قوت استعمال کرنے پر رضامند ہے جیسا کہ وہ یوکرین میں کر رہا ہے۔۔ اور ایشیا اور بحر الکاہل میں اس کی عسکری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ چین کے ساتھ اس کی اسٹریٹیجک تعاون کی وجہ سے سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔۔ یہ کہا گیا ہے کہ یہ امن کے حوالے سے سخت تشویشناک بات ہے۔" (فرانس 24، 16/12/2022)۔

دوسرا: اس حکمت عملی کے حوالے سے بین الاقوامی موقف پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے:

1۔ چین نے اس حکمت عملی کی شدید مخالفت اور باضابطہ احتجاج کیا ہے۔ [نئی جاپانی حکمت عملی نے، اپنے سرکاری اعلان سے پہلے ہی، بیجنگ کی ناراضگی کو ہوا دی، جو بیسویں صدی کے پہلے نصف میں مسلسل سفاک جاپانی عسکریت پسندی کے بارے میں بات کرتا ہے، جس میں چین اس کا ایک شکار تھا۔ چینی وزارت خارجہ کے ترجمان وانگ وین بن نے جمعہ کو کہا، " جاپانی فریق حقائق کو نظر انداز کرتا ہے، اور چین-جاپان تعلقات اور دونوں ممالک کے درمیان مشترکہ مفاہمت سے اپنی وابستگی سے انحراف کرتا ہے، اور بے بنیاد طور پر چین کو بدنام کرتا ہے۔ چین اس کی سختی سے مخالفت کرتا ہے۔۔۔" (فرانس 24، 2022/12/16)]۔

2۔ شمالی کوریا نے جاپانی حکمت عملی پر شدید تنقید کی، (شمالی کوریا کے وزارت خارجہ کے ترجمان نے کہا، " جاپان ۔۔۔ نے نئی سیکورٹی حکمت عملی اپنائی ہے، اور دوسرے ممالک پر پہلے حملہ کرنے کی صلاحیت کی تشکیل

دینے کا جذبہ پیدا کر رہا ہے۔۔۔ جاپان کی جانب سے باقاعدہ طور پر نئے اقدامی منصوبے سے مشرقی ایشیا میں سیکورٹی ماحول بنیادی طور تبدیل ہو جائے گا۔" ترجمان نے کہا کہ ٹوکیو کو احساس ہو گا کہ "یہ آپشن بہت خطرناک اور بدترین ہے۔"(سکائی نیوز عربی 20/12/2022))۔

3۔ جہاں تک امریکہ کی بات ہے،(واشنگٹن نے اس حکمت عملی کو خوش آئند قرار دیا۔ وائٹ ہاوس کے قومی سلامتی کے مشیر جیک سالیوان نے کہا،" جاپان کی جانب سے دفاعی اخراجات میں بھرپور اضافے سے جاپان-امریکی اتحاد مضبوط اور جدید خطوط پر استوار ہو گا"(فرانس24, 16/12/2022))۔ اسی طرح امریکی سیکریٹری دفاع لویڈ اوسٹن نے جاپان کی جانب سے نئی حکمت عملی کے دستاویزات کے اجرا کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا،(جاپان کی قومی دفاعی حکمت عملی اور امریکہ کی قومی حکمت عملی کے درمیان ہم آہنگی ہے۔ (الشرق الاوسط، 17/12/2022))۔ اور (صدر جو بائیڈن نے کا کہا کہ ان کا ملک "اس پریشان کن وقت میں جاپان کے شانہ بشانہ کھڑا ہے،اور ہمارا اتحاد آزاد اور کھلے بحر ہند اور بحر الکاہل کے لیے ایک اہم ستون ہے۔" وائٹ ہاوس نے کہا کہ نئی جاپانی دفاعی حکمت عملی کا ہدف امریکہ کے ساتھ عسکری اتحاد کو تقویت دینا ہے۔(الجزیرہ نیٹ 16/12/2022))۔

تیسرا: یہ ہے جاپان کی نئی دفاعی حکمت عملی،اس کو باریک بینی سے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے:

1۔ جان کی جانب سے نئی دفاعی حکمت عملی اختیار کرنا، جس کا اعلان اس نے 16/12/2022 کو کیا، اچانک نہیں تھا اگرچہ یہ بڑا واقعہ ہے اور اس سے جاپان کی ستر سالہ کمزوری کا دور ختم ہو جائے گا۔ جاپانی وزارت دفاع نے 22/7/2022 کو "وائٹ پیپر" شائع کیا جس میں اس دفاعی پالیسی کو بیان کیا گیا جس پر چلنا بین الاقوامی چیلنجوں کا سامنا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ "وائٹ پیپر" دستاویز نے اس حالت کا خاتمہ کیا کیونکہ اس میں جاپان کو درپیش چیلنجوں سے نمٹنے کا نقطہ نظر پیش کیا گیا، جیسے چین کی بڑھتی ہوئی عسکری طاقت اور تائیوان پر جنگ مسلط کرنے کا خطرہ، چین کا روس کے ساتھ عسکری تعاون کا خطرہ، روس، چین اور شمالی کوریا کی جانب سے ایشیا میں جنگ شروع

کرنے کا خطرہ، اور وزارت دفاع کے اس دستاویز نے ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے عسکری ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری کرنے اور کثیر الجہتی عسکری قوت بنانے کے لیے، جس میں فضائیہ بھی شامل ہو، عسکری اخراجات میں اضافے کی اہمیت کو بیان کیا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جاپان کے عزائم بلند ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے اوپر پڑا دوسری جنگ عظیم میں شکست کا غبار جھاڑ دے گا۔ جاپان بحر الکاہل کے خطے میں مقابلہ بازی کی دوڑ میں شامل ہو گا جس میں جنوبی چین کے سمندر بھی شامل ہے جہاں چین اور جاپان کے درمیان متنازعہ جزائر موجود ہیں۔

2۔ اس سے قبل جاپان کے سابق وزیر اعظم "شینزو آبی" جاپان-امریکہ مشترکہ حکمت عملی تک پہنچنے کی تجویز کے معمار تھے، جو بڑھتے ہوئے چینی اثر ورسوخ کا مقابلہ کرنے کے لیے بحر ہند اور بحر الکاہل پر ایک ساتھ نظر رکھے گی۔ اس تجویز کو امریکہ نے اختیار کیا جس میں امریکہ-جاپان تعاون کے ساتھ ساتھ باقی اتحادی بھی شامل تھے جو تجارت، سرمایہ کاری اور بحر ہند اور بحر الکاہل میں پر امن جہاز رانی کے لیے اکٹھے ہیں، اور اس میں آسٹریلیا اور ہندوستان کو بھی شامل کیا گیا۔ (8/11/2017)۔

3۔ اس نئی جاپانی حکمت عملی اور اس سے پہلے والی حکمت عملی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جاپان آج اپنی عسکری قوت کو دوبارہ حاصل کرنے، ماضی کے غبار کو جھاڑنے اور ایشیا میں لڑنے کی تیاری کر رہا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کی ابتدا میں جاپان ہی اس خطے میں بالادست ریاست تھی، وہی چین، کوریا اور سمندری جزائر، اور ایشیا کے دیگر ممالک پر چھاتا چلا جا رہا تھا، بالکل ویسے ہی جیسے جرمن فوج شکست سے پہلے یورپ میں ہر جانب بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ جاپان کو ایٹمی حملے کا سامنا کرنا پڑا، اور آج کے دن تک یہ واحد ملک ہے جس پر ایٹمی حملہ ہوا جب اگست 1945 میں امریکی طیاروں نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر دو ایٹم بم گرائے جس سے دو لاکھ سے زیادہ لوگ تو فوراً مارے گئے تھے۔ اس کے بعد جاپان نے 15 اگست 1945 اس ایٹمی حملے کے ایک ہفتے بعد ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر دیا اور امریکہ کی قیادت میں اتحادی جاپان میں داخل ہوئے اور اس پر قبضہ کیا۔

4۔ جاپان کی قدیم سامراجی تاریخ کے پیش نظر، جاپان کی عسکری تیاری پر جاپانیوں کے اندر عظمت کے جذبات امڈ آئے ہیں اور جاپانی عوام نے اس کو خوش آئند قرار دیا ہے۔ مگر جاپان کے ایک طویل عرصے سے عسکریت سے دور رہنے اور 1952 میں اتحادیوں کے نکلنے کے بعد سے آج تک وہاں بڑے بڑے امریکی فوجی اڈوں کی موجودگی کی وجہ سے جاپان کی جانب سے ایک بار پھر عسکری قوت حاصل کرنے کا اعلان مکمل طور پر آزادانہ فیصلہ نہیں ہے۔

5۔ جاپان کی جانب سے اپنی فوج اور فوجی اتحاد کے لیے نئی پالیسی اپنانے اور علاقائی خطرات کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کی حمایت میں شاید فوری طور پر امریکی بیانات بلا شبہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جاپان کی عسکریت پسندی خاص طور پر چینی خطرات سے نمٹنے کے لیے امریکہ کی حکمت عملی کی بنیاد ہے۔ امریکہ اپنی افواج کو چین کے ارد گرد منتقل کر رہا ہے اور تائیوان کے ارد گرد عدم استحکام پیدا کر رہا ہے اور چین کے ساتھ جنگ کا ماحول پیدا کر رہا ہے، جیسا کہ جب امریکی صدر جو بائیڈن سے یہ سوال کیا گیا کہ چین کی جانب سے تائیوان پر حملے کی صورت میں کیا امریکہ براہ راست جنگ میں شامل ہو گا تو بائیڈن نے کہا: ہاں۔

6۔ اسی طرح، سابق صدر ٹرمپ کی انتظامیہ نے شمالی کوریا کی اشتعال انگیزی کا مشاہدہ کیا گیا، اور جاپان کو عسکری طور پر اٹھنے کی ترغیب دی اور جاپانیوں کو مخاطب کرتے ہوئے ٹرمپ نے انہیں "جنگجو قوم" کہا، یہ 2017 جاپان کے دورے سے پہلے کی بات ہے: (۔۔۔ ٹرمپ جمعے کے دن بطور صدر ایشیا کے اپنے حساس دورے سے پہلے بات کر رہے تھے۔ اس دورے میں، جس میں خاص طور پر جاپان اور جنوبی کوریا شامل ہیں، شمالی کوریا کے جوہری خطرے کا موضوع غالب ہے۔۔۔ ٹرمپ نے فوکس نیوز سے بات کرتے ہوئے کہا، "جاپانی جنگجو قوم ہے، میں چین سے کہتا ہوں اور ہر سننے والے سے کہتا ہوں کہ میرا مطلب ہے، اگر آپ شمالی کوریا کے معاملے کو ایسے ہی جاری رہنے کی اجازت دیتے ہیں تو جلد ہی آپ کو جاپان کے ساتھ ایک بڑا مسئلہ در پیش ہو گا۔" (مرصد نیوز۔ بین الاقوامی امور- جمعہ -03 نومبر 2017)۔ یعنی وہ چین کو دھمکی دے رہا ہے کہ جاپان شمالی کوریا کے خلاف عسکری طور پر متحرک ہو گا وہ ایسا بول رہا ہے گویا وہ جاپان کا ترجمان ہے! اسی طرح جاپان کو دوبارہ مسلح کرنا، اگرچہ مشرقی ایشیا کے موجودہ حالات

میں جاپان کو اس کی ضرورت ہے، لیکن اس کے باوجود یہ مکمل امریکی منصوبہ لگ رہا ہے۔ چین کا مقابلہ کرنے کے امریکی منصوبے میں جاپان ایک مرکزی ملک بن گیا ہے۔

چوتھا: اب ہم سوال کے آخری حصے کا جواب دے سکتے ہیں، یعنی کیا یہ جاپان کا اپنا فیصلہ ہے یا یہ بیرونی اثر خاص طور پر امریکہ کی طرف سے ہے؟ جو کچھ گزر گیا اس پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے:

1۔ جاپان کی چین پر غالب رہنے کی ایک طویل تاریخ ہے، امریکہ اور باقی یورپی استعماری ممالک کی جانب سے منع کیے جانے سے قبل ہمیشہ جاپان چین کو اپنی کالونی بناتا رہا، یعنی آج تک جاپانیوں تاریخ میں ان کی کامیابیوں کی باز گشت سنائی دیتی ہے اور چین بھی وقتاً فوقتاً جاپان سے ان تاریخی جرائم لیے معافی کا مطالبہ کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح ایک اور پہلو سے جو کہ کم اہم نہیں یعنی جاپانی معیشت امریکہ اور چین کے بعد دنیا کی تیسری بڑی معیشت ہے اور وہ چین کا مقابلہ کرنے کی پالیسی پر خرچ کرنے پر قادر ہے، اس کے ساتھ ساتھ جاپان کی صنعت اور ٹیکنالوجی کی بڑی صلاحیت اس کو اکیلے بھی چین کا مقابلہ کرنے کے قابل بناتی ہے بشرطیکہ وہ دوبارہ عسکری قوت حاصل کرے۔

2۔ امریکہ چاہتا ہے کہ جاپان یہ سب کچھ اس کے ساتھ ایسے اتحاد کے دائرے میں رہتے ہوئے کرے جس میں قیادت امریکہ کے پاس ہو وہ اس طرح کہ جاپانی پالیسی امریکہ کے ہمہ گیر منصوبے کے حصے کے طور پر ہو اور جاپان کے اندر طاقت کا وہ گھمنڈ پیدا نہ ہو کہ اس کی یاداشت واپس آجائے اور وہ امریکہ کو دشمن سمجھنے لگے اس کو یاد آجائے کہ امریکہ ہی نے اس پر ایٹم بم گرائے تھے، کیونکہ امریکہ کے ساتھ دشمنی کی جاپان کی طویل تاریخ ہے۔۔۔ اس سب کی وجہ سے امریکہ چاہتا ہے کہ اس کو جاپان کی نئی حکمت عملی پر تمام تر تفصیلات کے ساتھ مکمل کنٹرول ہو تاکہ جب ٹوکیو اپنی فوج کو بحال کرے گا تو اس حکمت عملی کو چین کے خلاف استعمال کیا جائے اور وہ اس سے آگے بڑھ کر امریکہ کی جانب سے ایٹم بم گرانے کو یاد نہ کرے! یہ ہے جاپان کو دوبارہ عسکری قوت بنانے کے لیے امریکی نقطہ نظر، اور یہی

ایشیا میں چین کے خلاف امریکی منصوبے کی بنیاد ہے، یہ منصوبہ امریکہ کی جانب سے جرمنی کو مشرقی یورپ میں روس کے خلاف مسلح کرنے کے منصوبے سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔

3۔ اس سب کے باوجود، جاپان نے بھی جرمنی کی طرح اپنی عسکری قوت دوبارہ حاصل کرنے میں تاخیر کی۔۔ یہ بات درست ہے کہ یہ قومیں زندہ قومیں ہیں مگر تجارت اور دولت کے ان کے اذہان پر چھانے کی وجہ سے یہ عیش وعشرت کا شکار ہو گئیں اور عزت اور وقار کو بھول گئیں، ان کی قیادتوں میں جنگوں اور بالادستی حاصل کرنے کی ہمت نہیں رہی۔ اب تک جاپان اور جرمنی بھی دوسرے پیروکاروں کی طرح امریکہ اور یورپ کے مدار میں گردش کر رہے ہیں!

یوں جاپان اور جرمنی نے اپنی عسکری قوت بحال کرنے میں سات دہائیوں کی تاخیر کر دی اور امریکہ نے ان کو دبائے رکھا۔ مگر ان اقوام کے اندر قابل ذکر زندگی ہے اس لیے یہ اپنی عسکری قوت کو بحال کر سکتے ہیں اور بہت جلد ایٹمی طاقت بن سکتی ہیں جس سے مستقبل قریب میں ان کو ایک بار پھر اپنی قوت اور عظمت کا احساس ہو گا، جس سے خود امریکہ کے لیے بھی مسائل پیدا ہوں گے، تب ان کا زبردست تصادم ہو گا، یہی وجہ ہے کہ امریکہ جاپان اور جرمنی کی عسکری حکمت عملی کو ایک لمحہ بھی آنکھ بند کیے بغیر مسلسل دیکھ رہا ہے!

پانچواں: آج جن کو بڑے ممالک کہا جاتا ہے ان کی حقیقت پر غور کرنے والا اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ یہ بڑے ممالک خیر یا عدل کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، ان کے لیے خیر ان کی خواہش کا پورا ہونا ہے چاہے ان کی خواہش دوسروں کے لیے شر ہو۔ ان کے لیے عدل دوسروں کی مشکلات سے فائدہ اٹھانا ان پر غلبہ پانا ہے چاہے یہ کھلم کھلا ظلم ہو۔ ان کے ہاں اقدار کے پیمانے خیر اور عدل سے بہت دور ہیں، گویا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے، فارس اور روم بغیر خیر اور عدل کے دنیا پر حکمرانی کر رہے تھے، تب اسلام حقیقی خیر اور عدل، اور ایک واضح راستے کے ساتھ آیا، جس کی رات بھی دن کی طرح روشن تھے یوں حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ آج کا معاملہ بالکل گزرے کل کی طرح ہے، کل

جس طرح ان کی اصلاح ہوئی تھی آج بھی اسی طرح ان کی اصلاح ہو گی، نبوت کے نقش قدم پر دوبارہ خلافت راشدہ کے قیام کے ذریعے اور ممکن ہے کہ یہ اب بہت جلد ہونے والا ہو اس جابرانہ دور کے اختتام پر جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«...ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ» ثُمَّ سَكَتَ." **پھر جابرانہ حکمرانی ہو گی اور اس وقت تک ہو گی جب تک اللہ چاہے گا اور جب اللہ چاہے گا اس کو اٹھا لے گا اس کے بعد پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے "**(اس کو أحمد اور الطيالسي نے روایت کی ہے)اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔

﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

"اللہ اپنے فیصلے میں غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"(یوسف:21)

30 جمادی الاولیٰ 1444 ہجری

بمطابق 24 دسمبر 2022ء

فہرست

حزب التحریر کی جانب سے ترکی اور بلادِ شام میں زلزلے میں شہید ہو جانے والوں پر اظہارِ تعزیت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ * أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ "وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحمت اور مہربانیاں ہیں اور یہی ہدایت پانے والے ہیں" (سورۃ البقرۃ، 156-157)

محترم بھائیو اور بہنو، ترکی اور الشام میں موجود حاملین دعوت، اور عمومی طور پر تمام حاملین دعوت کی طرف۔

ترکی اور بلاد شام میں ثابت قدم اور صابر خاندانوں کے نام اور بالعموم امت مسلمہ کے نام۔۔۔

حزب التحریر ترکی اور بلادِ شام میں آنے والے زلزلے میں کثیر تعداد میں شہید ہونے والے افراد کے لواحقین سے تعزیت کرتی ہے۔ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اپنے ہاں ان سب کو آخرت کے شہید کا درجہ عطا فرمائے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بیان کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، «الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ» "شہدا کی پانچ اقسام ہیں: وبا زدہ شخص، پیٹ کے امراض میں مبتلا شخص، پانی میں ڈوبنے والا شخص، ملبے تلے دب جانے والا شخص، اور وہ جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے مارا جائے" [بخاری و مسلم]۔ ملبے تلے دب جانے کا مطلب ہے کہ کسی عمارت کے گرنے سے اس کے ملبے تلے دب کر مر جانے والا شخص۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ، الشافی والکریم، تمام زخمیوں کو جلد از جلد صحت و شفا عطا فرمائے اور اس آفت کا کوئی بھی زخم اور بیماری باقی نہ رہے۔

ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اس آفت میں بچ جانے والوں کو بہترین زندگی گزارنے کا موقع عطا ہو اور وہ اپنی بقیہ زندگی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں گزاریں۔

اس زلزلے نے ایک بار پھر اس امر کو ثابت کر دیا کہ مسلمانوں میں دین اسلام کی جڑیں مضبوط ہیں۔ جب وہ اپنے بھائیوں کو گری ہوئی عمارتوں کے ملبے سے نکال رہے تھے تو مسلمان تکبیر کے نعرے لگا رہے تھے۔ اور تکبیر کے نعرے اس وقت بھی ان کی زبانوں پر جاری تھے جب انہوں نے عفرین ضلع میں ایک نومولود بچی کو ملبے سے نکالا جس کی پیدائش زلزلے کے دوران ہوئی اور اس کی ماں ملبے تلے دب کر مر گئی۔ تکبیر کی صدا اس وقت بھی بلند تھی جب غازی عنتاب میں ایک عورت کو ملبے سے نکالا جا رہا تھا تو اس عورت نے باہر نکالے جانے سے پہلے سر ڈھانپنے کے مطالبہ کیا تا کہ نامحرم اس کو بے حجاب نہ دیکھ لیں۔۔۔ یا پھر اس وقت جب کھرمان کے شہر میں ایک شخص نے ملبے کے نیچے سے باہر نکالے جانے سے پہلے وضو کے لئے پانی مانگا گیا تا کہ اس کی نماز قضا نہ ہو جائے۔۔۔ ان تمام واقعات میں تکبیر کی صدا گونج رہی تھی، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

ایمان والا شخص، دیگر افراد کی طرح نہیں ہوتا، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اللہ کی مرضی (قضا) حتمی اور آخر ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اللہ کی قضا، اللہ کی لامحدود علم و حکمت کا نتیجہ ہے جسے صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پس، ایمان والا شخص کسی بھی مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، **«عَجَباً لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْراً لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْراً لَهُ» "مؤمن کی بھی کیا ہی صورتحال ہے۔ اس کے ہر معاملے میں خیر ہے۔ یہ معاملہ مؤمن**

کے سوا کسی کے ساتھ نہیں۔ اگر مؤمن کو خوشی ملے تو وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اور اس میں اس کے لئے خیر ہے۔ اگر مؤمن پر مصیبت آن پہنچے، تو وہ صبر کرتا ہے، اور اس میں اس کے لئے خیر ہے" [مسلم]۔

مسلم ممالک، مصائب میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہماری کوئی بھی زمین مصائب سے خالی نہیں: زلزلے اور سیلاب، خشک سالی اور قحط، جنگیں، غربت، بھوک، افلاس۔۔۔ گو کہ قدرتی آفات اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں مگر ضروری احتیاطی تدابیر اور مسلمانوں کی دیکھ بھال ریاست کی ذمہ داری ہے جس میں کسی بھی کوتاہی کی گنجائش نہیں۔ اگر مسلمانوں کی ریاست خلافت موجود ہوتی، تو وہ تمام علاقوں کو ایک ریاست میں ضم کر کے ان کے امور کی دیکھ بھال کرتی۔ خلافت کسی بھی مصیبت میں امت کے شانہ بشانہ کھڑی ہوتی اور ان کے بوجھ کو اپنے سر لے کر ان کے امور کی نگرانی کرتی۔ خلافت اپنی ذمہ داری بھرپور طریقے سے نبھاتی اور اسے مدد کے لئے مسلمانوں کے سوا کسی کی ضرورت نہ پڑتی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے شہدا پر رحم فرمائے اور ہمارے زخمیوں کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔ اس آفت میں بچ جانے والوں کا والی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہو۔۔۔ ہم اس پیغام کا اختتام انہی الفاظ سے کرتے ہیں جن سے شروع کیا تھا۔۔۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ * أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ **"وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحمت اور مہربانیاں ہیں اور یہی ہدایت پانے والے ہیں"** (سورۃ البقرۃ، 156-157)۔ بے شک ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ — **18 رجب 1444ھ**

امیر حزب التحریر — **9 فروری 2023ء**

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)